نخلِ نور

رفیق راز کی ایک سو ایک منتخب غزلیں
مع مقدمہ و مضامین

غنی غیورؔ

قاسمی کتب خانہ، تالاب کٹھیکاں، جموں

غنی غیور

NAKHAL-E- NOOR

by

Ghani Ghayoor (Abdul Ghani Jagil)

Year of Edition : 1 August 2023

ISBN :

Price :

نام کتاب	:	نخلِ نور
مؤلف	:	غنی غیور (عبدالغنی جاگل)
سن اشاعت	:	یکم اگست ۲۰۲۳ء
تعداد	:	300
قیمت	:	
کمپوزنگ	:	فوزیہ کمپیوٹر سنٹر جموں
سرورق	:	مسعود عالم
زیرِ اہتمام	:	

پتہ

Top Hill, Near Green Valley Colony
Upper Jallalabad Sunjwan, Jammu
Pin Code 181152
Mobile No. +91-9419791802 | 7889837758

رفیق راز : جموں وکشمیر میں اردو غزل کے بڑے شاعر

غنیم صف سے نکلتے ہی مجھ پہ چڑھ دوڑا
رجز کی رسم ہی دنیا نے اب بھلا دی ہے
بعد میں بولتا رہتا ہے لہو حشر تلک
پہلے کچھ پل کے لئے تیز سناں بولتی ہے
رفیق راز

بعض لوگوں کا ماننا ہے : غزل کہنا بہت آسان ہے“ لیکن میں کہتا ہوں کہ غزل اگر فقط قافیہ پیمائی اور مشاعراتی سطح تک محدود کر دی جائے تو شاید یہ مفروضہ درست بھی ہوسکتا ہے. لیکن سچ تو یہ ہے کہ زندہ غزل کہنا بہت مشکل ہے۔ زندہ غزل سے میری مراد غزل کے اشعار میں اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدے سے کوئی نئی بات پیدا کرنا یا پھر کوئی ایسا ان دیکھا اور ان سنا نکتہ اجاگر کرنا جو قاری کو بھر پور تازگی کا احساس دلائے اور اس کے دل و دماغ پر آبشاری کیفیت طاری کر دے! ایسی کیفیت جو موجِ نوخیز کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے دم نہ توڑ بیٹھے بلکہ دل و دماغ پر دیر پا جادوئی کیفیت طاری کرے اور مزید ایسے کلام کو بار بار پڑھنے پر یہ کیفیت برقرار رہے۔ میرے خیال میں یہاں شاعری ساحری کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ حقیقی فن پارہ میں سحر انگیزی کے علاوہ کچھ استعارے یا ایسے جدلیاتی الفاظ بھی موجود ہوتے ہیں ۔جو اسے زمانی شکست و ریخت سے محفوظ

رکھتے ہیں بلکہ آنے والے وقت میں نئے نئے مفاہیم دیتے ہیں ۔ بے شک ایسی سچی غزل کہنا بہت مشکل ہے ۔ سچا شاعر خوبصورت اور ان چھوا استعاراتی اور تشبیہاتی نظام وضع کرتا ہے جو حشو و زاید سے پاک ہوتا ہے سچے شاعر کا کلام کلیشہ زدہ نہیں ہوتا بلکہ وہ دوررس نظر سے اپنی تخلیقات میں انوکھا پن اور نئی تان پیدا کرتا ہے ۔

رفیق راز اپنے حالات سے بیخبر نہیں بلکہ ان کے بہت سے مشاہدے جو ماحول کی عکاسی کرتے ہیں ۔ اشعار میں ڈھل گئے ہیں پچھلی تین چار دہائیوں کے حالات کی پرچھائیاں لطیف استعاروں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں ۔

کرفیو:

کرفیو لگا اور گھر میں پاؤں جو رکّھا
سامنے تنہائیوں کی فوج کھڑی تھی

لاشیں اور گدھ :

اب ان لاشوں کی وہ حالت ہوئی ہے
کہ رد کردیں گدھوں نے بھی اڑانیں

چٹان:

اگر چٹان کی یہ چپ کلام ہے سائیں
تو پھر ہماری سماعت ہی خام ہے سائیں
بجا کہ شہر میں ارزاں بہت ہیں خواب مگر
یہاں تو نیند ہی ہم پر حرام ہے سائیں

(رفیق راز)

رفیق راز کے کلام میں بکثرت علامتیں اور استعارے موجود ہیں ۔ ابتدا ہی سے

ان کے کلام میں یہ عنصر نمایاں ہے ۔کہیں کہیں روایتی اشعار بھی ہو گئے ہیں جیسا کہ انہوں نے کشادہ دلی سے خود ہی اعتراف کیا ہے ۔

اس غزل میں رفیق راز تری
رنگ آنا ہی تھا روایت کا

نیز

چار قدم چل کے دیکھتا تھا پلٹ کے
ایک روایت کی دھند، سر میں اٹھی تھی

لیکن یہ روایتی رنگ بہت کم غزلوں میں دیکھا جاتا ہے اور رفیق راز اس دھند سے جلد ہی باہر نکل جاتے ہیں مثلاً اگر ان کا دھیان معشوق کے بدن کی طرف جاتا ہے تو وہ اس کا اظہار انوکھے استعاراتی انداز میں کرتے ہیں ۔

کیا کروں تیرے بدن کی تعریف
شعلہ اک کاغذی پوشاک میں ہے

سرزمین کشمیر کو چشمہ زار کہا جائے تو بجا ہے یہاں اطراف میں ڈھلوانوں سے بہتے ہوئے جھرنے دیکھ کر انہوں نے کیا خوب شعر کہا ہے :

پیاس میری بھی بجھاتے ہیں پہاڑی جھرنے
ورنہ مامور ہیں یہ تیری ثنا خوانی پر

روایت پسندوں اور جدت پسندوں کے درمیان جھگڑا پہلے ہی سے چل رہا ہے ۔ لیکن وقت بہترین منصف ہوتا ہے جو روایتی و مشاعراتی شعراء سستی شہرت یا پذیرائی کے لئے شاعری کرتے ہیں دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ ان کے چراغ جلد ہی بجھ جاتے ہیں ۔اور جبکہ سچے فن پارے شکست و ریخت سے بچ بچا کر یادگار زمانہ بن جاتے ہیں ۔

رفیق راز کے بعض خوبصورت اور لازوال اشعار:

میرا چراغ شہرِ سخن میں چمکتا کیا
گہری یہاں بہت ہی سیاست کی دھند تھی
پڑا رہ بدن کے دریچے نہ کھول
مری انگلیوں میں ہوس ناکی ہے
ابھی تو بر سرِ پیکار موجِ آب سے ہوں
ابھی ہوں بیچ میں اس پار دیکھئے کیا ہو
اٹھو کہ جوش پہ آئی ہوئی ہے وہ رحمت
یہ وقت دست کے کشکول میں ہے ڈھلنے کا
یہ جو آنسو ابھی ابھی ٹپکا
استعارہ ہے شادمانی کا
سبزہ تو دیکھ موسمِ گل میں بھی زرد ہے
آہستہ چل زمین کی چھاتی میں درد ہے
اٹھی ہے تو محال ہے اب اسکا بیٹھنا
دو قافلوں کے بیچ میں حائل جو گرد ہے
گلوئے خشک سے تقریر کر رہا ہے کوئی
تڑپ رہا ہے زمیں دوز کوئی چشمہ ابھی
مرے تو سامنے ہی نقش پائے قصوی* ہے
میں کوئی اور مصلیٰ بچھا نہیں سکتا

میرے خیال میں رفیق راز کے (متعدد شعری مجموعوں کے) مطالعہ سے یہ عندیہ کھلتا ہے کہ فکروفن کے اعتبار سے رفیق راز اس وقت ہماری ریاست کے اہم

* آنحضرت علیہ السلام کی اونٹنی کا نام ہے

ترین شعراء میں سے ہیں ۔اور میدان غزل کے شہسوار ہیں ان کے بہت سے مصرعے/ اشعار/ غزلیں ہمارے ادبی سرمایہ میں اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ع ابلیس کا تو نام ہے انکار سے روشن

بھیڑ میں تنہا یقیناً ہوں مگر اتنا نہیں
چاپ اوروں کی سنایی ہی نہ دے ایسا نہیں
رفیق راز

رفیق راز کا کلام سطحیت اور پایابی جیسے نقائص سے پاک ہے۔ بلکہ بہت سے اشعار کے اندر معانی کی تہہ بہ تہہ پرتیں موجود ہیں ۔یہی صفت ان کے کلام کو معاصرین سے متمیز کرتی بے شک وہ اس عہد میں بلندی پر پہنچ چکے ہیں اور ان کی تیسری آنکھ کھل چکی ہے۔

زمیں پہ بوجھ ہیں یہ بے ثمر خمیدہ شجر
ہیں انتظار میں آرے کے سن رسیدہ شجر
غزال تک ترے صحرا کے پرسکوں ہیں بہت
ہمارے شہر میں ہیں خوف سے رمیدہ شجر

رفیق راز خاموش طبع شخصیت کے مالک ہیں ان کی خاموشیاں ان کے صاحب اسرار ہونے کا پتہ دیتی ہے۔

چپ ہوئے یا نہر جاری ہوگئی ہے فکر کی
لب کھلے اس کے کہ شیشی کھل گئی ہے عطر کی
لب سی لئے ہیں ہم نے کچھ ایسے رفیق راز
جیسے ہمارے سینے میں کوئی خزانہ ہو
رفیق راز

زیرِ نظر کتاب میں رفیق راز کی ایک سو غزلیات کے علاوہ انکی شاعری پر مفصل مضامین بھی پیش کئے ہیں جن سے رفیق راز کی شاعری کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور رفیق راز کی مشکل پسندی اور مبہم گوئی کے متعلق بعض معترضین کے سوالات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں ۔اس میں شک نہیں رفیق راز کا بیشتر کلام مبہم اور دقیق ہے ۔رفیق راز کے یہاں استعارات اور ابہامات کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں اور وہ اسے شاعری کا حسن و جمال سمجھتے ہیں ۔جدید ناقدین میں شمس الرحمان نے اس نظریہ کی حمایت کی رفیق راز، شمس الرحمان فاروقی کے قریبی دوست بھی رہے ہیں اور شروع سے ہی انکا کلام شبخون میں چھپتا رہا ہے ۔شب خون اپنے عہد کا مؤقر ترین اور نہایت معیاری جریدہ سمجھا جاتا تھا۔ رفیق راز کے کلام کے گہرے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حکیم منظور کے بعد جموں وکشمیر کے بڑے غزل گو شاعر ہیں ۔حکیم منظور نے کشمیری ماحول سے استعارے برتے ہیں ۔جبکہ رفیق راز کی شاعری اردو کلاسیکی کی جڑ اسٹاک root stalk پر نئی پیوندکاری grafting ہے بیشک دونوں شعرا کا مطالعہ نہایت معنی خیز و ذو اہمیت ہے ۔ یہ شعرا اردو روایت کی مضبوط کڑیاں ہیں ۔پچھلے سال حکیم منظور کی شاعری کے حوالہ سے اسی نوعیت کی کتاب آزارِجاں مرتب کر کے شائع کر چکا ہوں ۔ابھی بار زیرِنظر کتاب یعنی نخلِ نور آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے ۔مجھے امید ہے کہ میری یہ کتاب نئی علمی بحوث و معلوماتی دراسات کے محرک ولب لبی trigger کا کام کرے گی ۔

المخلص

غنی غیور

بڈگام سری نگر

۱۱ جولائی ۲۰۲۳

باب اول

رفیق راز کے کلام میں کلاسیکی آثار اور انکا تقابلی مطالعہ

تحقیق وتنقید از غنی غیور

پگھل کے آنکھ سے ٹپکے ہیں اشک بن کر ہم
بدل کے بھیس قفس سے فرار ہوگئے ہیں

غنیم صف سے نکلتے ہی مجھ پہ چڑھ دوڑا
رجز کی رسم ہی دنیا نے اب بھلا دی ہے

کل رات جلوہ گہہ میں قیامت کی دھند تھی
دیکھا تومیری اپنی بصارت کی دھند تھی

ہماری طرح حروفِ جنوں کے جال میں آ
کبھی تو جلوہ گہِ نون جیم دال میں آ

رفیق راز

رفیق راز کے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی تو وہ جلوہ گاہ نجد میں نظر آتے ہیں ۔کبھی اپنے وجود کی کھدائی کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔کبھی دھونی رماتے اور

سکوت کی خوشبو بکھیرتے ہیں ۔کبھی بظاہر برہنہ قلندروں کی طرح کائنات کو زیب تن کرتے ہیں ۔کبھی سناٹوں میں زمزمہ خوانی کرتے ہیں ۔کبھی بکھرے ہوئے اوراق کی شیرازہ بندی کرتے ہیں ۔کبھی زرخیز لمحوں سے زمین حرف میں شجرکاری کرتے ہیں

مصرع : حرف سے زرخیز لمحوں میں شجرکاری بھی کی ہے ۔

اور وہ نئے نئے آہنگوں اور متنوع زمینوں کے خالق بھی ہیں ۔

ہر ایک حرف میں اس کے مہک سکوت کی ہے
رفیق راز کا اُسلوب ہے جدا سب سے

بکھرے ہوئے ورق تھے قلم تھا دوات تھی
ٹوٹی سی ایک میز پہ کل کائنات تھی

ہوا نہیں وہ برہنہ اتار پھینک کے پوشاک
تھا زیبِ تن کئے مجذوب کائنات رفیقا

روح سے ہیں بیزار بہت
یہ ملکِ بدن کے باشندے

بے صدا حرف غُل مچاتے ہیں
جب کسی کی سمجھ میں آتے ہیں

ایک آواز پھڑپھڑاتی ہے
اک سماعت کے دام میں آکر

گئے سال کی روشنی پی گیا
نئے سال کا یہ کلینڈر سیاہ
رفیق راز

اوپر دیے گئے یا ایسے کثیر التعداد اشعار میں تمام تر جدت طرازیوں کے باوجود رفیق راز نے اردو کے کلاسیکی ادب سے بھی استفادہ کیا ہے ۔لیکن ایسے اشعار صرف آٹے میں نمک کے برابر ہیں ۔ یہ روایت غالب سے چلی آ رہی ہے ۔لہذا رفیق راز کبھی تو اساتذہ کی کلام سے خیال مستعار لیتے ہیں اور کبھی کبھار ان کے شعر کے جواب میں شعر کہتے ہیں ۔ایسے ہی اشعار کے مقارنہ و موازنہ کی چند مثالیں جو مطالعہ کے دوران میرے ذہن میں آئی ہیں، ملاحظہ کریں:

مثال:۱

کہاں سے لاؤں گا لاغر بدن میں اتنا خوں
زمیں تو مانگتی ہے خوں کے دجلۂ و جیحوں
رفیق راز

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر
اقبال

مثال:۲

کسی پہ حال ہمارا کھلے تو کیسے کھلے
غزل ہی کہتے ہیں بے حد علامتی ہم لوگ
رفیق راز

ہمارے شعر ہمیں پر نہ کھل سکے آخر
ڈرے ہوئے ہیں کچھ ایسے قبول عام سے ہم
ظفراقبال

مثال:۳

اشجار کچھ سخی تھے تری رہگزار کے
دولت لٹا رہے تھے سرِ راہ چھاؤں کی
رفیق راز

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے
آتش

مثال:۴

دیوتا بننے سے اب رہ جائیں گے پتھر کئی
رکھ کے اپنا تیشہ تائب ہوگئے آذر کئی
رفیق راز

بُت شکن اٹھ گئے، باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں
اقبال

مثال:۵

وہ شاہکار ہے تحقیق کا مری موضوع
بری طرح سے جسے دیمکوں نے چاٹا ہے
رفیق راز

عالم میں جس کی دھوم تھی اس شاہکار پر
دیمک نے جو لکھے کبھی وہ تبصرے بھی دیکھ
شکیب جلالی

یہ آگ ہوس کی ہے میاں عشق نہیں ہے
روشن کوئی ہوتا نہیں اس آگ میں جل کر
رفیق راز

یہ آگ ہوس کی ہے جھلس دے گی اسے بھی
سورج سے کہو سایۂ دیوار میں آئے
شہریار

مثال:۷

یہ لوگ کیوں اسے یارب عذاب کہتے ہیں
یہ حافظہ تو گئے وقت کا اُجالا ہے
رفیق راز

یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا
اختر انصاری

کہاں سے آتے ہیں لعل و گہر خیال کے ہر روز
دبا ہوا تو نہیں میری خاک ہی میں بدخشاں
رفیق راز

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے جو کھودیں جا کے معدن کو
غالب

ایسی مثالیں اور بھی مل جاتی ہیں جیسا کہ پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ رفیق راز کے کلام میں ایسے مستعار خیال والے یا جوابی اشعار کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔حق تو یہ ہے کہ رفیق راز کے یہاں بے پناہ تخلیقی وفور نے شعوری ولاشعور کے نئے نئے دریچے وا کئے ہیں ہے۔اور وہ آفاق وانفس کی سیر کرتے چلے جاتے ہیں۔نیچے دیے گئے شعر میں سرخاب کا پر تولنا بلکل نیا تجربہ ہے اور بے مثال شعر کہا ہے:

کرتا ہے خلا خوف کا اظہار سمٹ کر
پر تول رہا ہے کوئی سرخاب تہِ آب
رفیق راز

معنی کی خوشبو نیا پیکر ہے:

مجھ میں بھی تھی تیز سی خوشبو معنی کی
مہک رہا تھا میں بھی مہمل ہونے تک
رفیق راز

رفیق راز کے یہاں تخیل نت نئے پیکروں میں ڈھلتا ہے:

یا خاکِ بدن میں ہوں کوئی صرصرِ سفّاک
یا ہوں میں کوئی موجۂ بیتاب تہِ آب
رفیق راز

باب دوئم

رفیق راز کے کلام میں کلیدی الفاظ کے ماخذات اور ان کا تقابلی مطالعہ

رفیق راز کے کلام سے عیاں ہے کہ انکا کلام عام فہم نہیں بلکہ وہ خاص الخواص کے ذوق سلیم کے مطابق ہے۔رفیق راز کے یہاں بہت سے کلیدی الفاظ اور استعارے بار بار استعمال ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ پہلے بھی فارسی ادب میں استعمال ہو چکے ہیں۔ البتہ رفیق راز نے انہیں حسن استعمال سے نئے قالب میں ڈھالا ہے اور انہیں نئے معانی و مفاہیم کا حامل بنایا ہے۔رفیق راز کے یہاں ان الفاظ کا استعمال روایتاً نہیں ہوا بلکہ انہوں نے نئے معانی کا سلسلہ تخلیق کیا ہے جسے کلاسیکی روایت کے ذریعہ نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ اسے سمجھنے کے تگ و دو یا درایت نقد کا سہارا لینا پڑتا ہے۔رفیق راز کے یہاں ایسے بعض کلیدی الفاظ کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

ا۔سکوت (سناٹا،خامشی)

سکوت میں رفیق راز کو کبھی روشنی دکھائی دیتی ہے اور کبھی وہ اس کو تحیّر کا استعارہ قرار دیتے ہیں۔بات یہاں ہی نہیں رکتی وہ سکوت سے نو بہ نوع پیکر تراشتے چلے جاتے ہیں گویا سکوت رفیق راز کے کلام میں وسیع سلسلۂ معانی اور جہانِ حیرت و سرگشتگی

ہے۔سکوت پر رفیق راز کے اشعار پڑھ کر بیدل کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

رفیق راز کے بعض اشعار

مرے سکوت میں تجھ سے ہی روشنی تھی کوئی
مرا سکوت بھی تجھ سے ہی استعارہ ہوا

اجالا رات کو بیرونِ زندان ہوگیا ہوگا
فقط یہ رخنۂ دیوار حیراں ہوگیا ہوگا

یارب سیاہ پوش نہ ہو شُعلۂ سکوت
روشن تمام رات رہے خیمۂ سکوت

آنکھیں عقیق ہائے یمن ہیں کہ دو چراغ
میرا وجود ہے کہ کوئی روضۂ سکوت

یہ دشت جا نماز ہے وہ غار درسگاہ
یہ سلسلہ جبال کا ہے سورۂ سکوت

ایک لشکرِ حروف نے فوراً ہی دھر لیا
ہم قلعۂ سکوت سے جوں ہی رہا ہوئے

سکوت/ خامشی فارسی میں:

ما را چو شمع مرگ بود خامشی غنی
اظہار زندگی بزبان کنیم ما

ترجمہ: شمع کی طرح خاموشی ہمارے لئے موت کے بمنزلہ ہے لہذا ہم زندگی کا

اظہار اپنی زبان سے کرتے ہیں۔

گلو گیر ہوگئی یاوہ گوئی
رہا میں خموشی کو آواز کرتا

میر تقی میر

خامشی/سکوت

کس قدر گونج ہے اس رات کے سنّاٹے میں
نہ یقیں آئے تو آواز لگا کر دیکھو

یہ پانی خامشی سے بہتا ہے
اسے دیکھیں کہ ڈوب جائیں

احمد مشتاق

مثال دوم

۲۔نخل (عربی لفظ کھجور کا پیڑ)

نخل اسلامی وثقافتی تناظر میں رفیق راز کے یہاں وسیع تر مفاہیم ومعانی کا حامل ہے۔نخل آب، نخل نور، نخل جسم، نخل بدن، نخل بیابانی وغیرہ تراکیب محض رنگینیٔ خیال کے لئے نہیں باندھی گئی ہیں بلکہ ان میں پیاز کی پرتوں کی طرح تہ در تہ معانی موجود ہیں۔ یہاں ہمیں حدیث مبارک یاد آتی ہے

إن للقرآن ظهرا وبطنا ولبطنه بطنا إلى سبعة أبطن۔

بیشک خیر الکلام کے کئی بطن ہونا حکمت سے خالی نہیں اچھے شعر میں کبھی کبھار اوپری سطح غیر شفاف ہونے کے باعث معنی دھندلے یا کبھی بالکل روپوش ہوتے

ہیں لیکن اگر ایسا شعر سچا شعر ہے اور غیر شعر نہیں تو اس میں کیفیت ضرور ہوتی ہے کہا جاتا ہے شعر خوب معنی ندارد اصل میں اس کے معنی وہ نہیں جو لوگ سمجھتے ہیں اس بارہ میں ہمارا موقف یہ ہے :

شعر خوب نیازی بہ توضیح المسائل ندارد

بہر حال ہم شعرا پر کوئی قدغن بھی نہیں لگاتے ۔رفیق راز کے یہاں ’’نخل‘‘ کئی کروٹیں بدلتا ہے ۔

مجھ پہ خورشیدِ جہاں تاب کے اکرام کہاں
مجھ پہ سایہ ہے کسی نخل بیابانی کا

شاخوں پہ جسکے شعلے ہیں پھل پھول کی طرح
بیٹھا ہوا ہوں چھاؤں میں اُس نخل آب کی

اس بار چلی ہوا یہ کیسی
اب تک ہے نخل جسم لرزاں

تھا دیدنی وہ خود سے بچھڑ جانے کا سماں
سایہ سا کوئی نخلِ بدن سے نکل گیا

رفیق راز

فارسی شاعری میں نخل:

تا بہ کی این تیشہ خواہی زد بہ پای خود بس است
این کہن نخل تمنا را نیفکندی ہنوز
وحشی بافقی

ہر کہ از نخل تمنا روزہ مریم گرفت.
نقل انجم در گریبانش چو عیسی ریختند
صائب تبریزی

نخل تمنا،نخل انجم صائب کے یہاں بلکہ نئی تراکیب ہیں

با کہ گویم آنچہ زان نخل تمنّا دیدہ ام
زان قد آشوب قیامت را دو بالا دیدہ ام
کلیم ہمدانی

اردو شاعری میں لفظ نخل :

لے گئی منصور کو تقدیر نخل دار تک
مجھ کو پہنچائے مقدر قامتِ دلدار تک
امین الدین شاہ قیصر (از صوفی نامہ)

ضعف پیری بڑھ گیا جوش جوانی گھٹ گیا
اب عصا بنوایے نخل تمنا کاٹ کر
شاد لکھنوی

نخل جنّت کا قلم ہو، حوضِ کوثر ہو دوات
روشنی ہو روئے احمد کی تو لکھوں ایک نعت

مرا نخل آرزو ہے تری یاد سے مہکتا
ترے ذکر سے ہی آقا مرے دل میں روشنی ہے
ناشناس

بن گئی بات ان کا کرم ہوگیا شاخ نخل تمنا ہری ہوگئی. میرے لب پر مدینے کا نام آ گیا بیٹھے بیٹھے مری حاضری ہوگئی.

عبدالستار نیازی

نخل لفظ غنی کشمیری کے یہاں کیسے استعمال ہوا ہے

میزند پہلو بہ نخل طور از آتش چنار
زیبد ار خود را کلیم وقت داند باغبان
غنی کشمیری

ترجمہ : آتش چنار سے نخل طور کا پہلو ابھرتا ہے باغباں اگر خود کو کلیم وقت کہے تو بجا ہوگا۔

مثال سوم۔۔۔

۳: غبار

رفیق راز کے یہاں غبار لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے ۔غبار کبھی سفر کی دلالت کرتا ہے کبھی رفتگاں کی سرگزشت اور کبھی رفتار کی خبر دیتا ہے ۔

اشعار

اپنے پیچھے غبار چھوڑا ہے
دشت سے اس طرح میں گزرا ہوں

گرد و غبار و نالہ و و فریاد اور دُھواں
کیا کیا نہ پوچھ اور بھی ہم سے ہوا بلند

پیچھے گرد و غبار تھا میرے
آگے دیوارِ تن کا سایا تھا

کسی کے سر پہ جنونِ سفر سوار نہیں
فضائے دشت کہ آلودۂ غبار نہیں

مثلاً غنی کاشمیری نے غبار آسیا وسیع تر مفہوم میں برتا ہے

غنی در ملک دنیا انقلابی آرزو دارم
کہ خاک از گردش گردون غبار آسیا گردد
غنی کشمیری

ترجمہ: غنی میں اس جہاں میں ایسا انقلاب دیکھنا چاہتا ہوں کہ غبار آسیا کی طرح زمانہ کی گردش سے خاک اڑتی ہوئی دکھائی دے۔

غبار آسیا سے مراد، آٹے کی غبار ہے جو غلہ پیستے وقت چکی کے ارد گرد اڑتی ہے۔ غنی نے چلتی چکی کے تحرک اور گردش کو انقلاب پر محمول کیا ہے۔

اقبال کا حرکی نظریہ حیات چکی کی گردش جیسا ہی ہے غبار بیدل و غالب کے یہاں بھی مستعمل ہے۔

آہ از غبار ما کہ ہوا گیر شوق نیست
یعنی بخاک ریختہ است آسمان ما

حضرت بیدل

افسوس میرا غبار، ہوا گیر شوق نہ ہو سکا یعنی میرا آسمان خاک میں پڑا ہے۔

شکوۂ یاراں غبار دل میں پنہاں کر دیا
غالب ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

لہذا کہا جاسکتا ہے کہ رفیق راز نے یہ الفاظ پہلی بار نہیں استعمال کئے ہیں البتہ انہیں نئے تناظر اور نئے مفہوم میں ضرور برتا ہے۔ رفیق راز کی شاعری کلاسیکی ادب سے پیوست ہوتے ہوئے بھی جدید تر عصری لہجے کی آئینہ دار ہے۔ رفیق راز کا اسلوب شبخونی عناصر رکھتے ہوئے بھی مختلف و منفرد معلوم ہوتا ہے۔ طویل العمر تجربہ اور ریاضت نے رفیق راز کو اقلیم شعر میں اعلےٰ مقام پر پہنچا دیا ہے۔

مثال چہارم (۴)

رفیق راز نے حسب روایت چنار کا لفظ استعمال کیا ہے۔

مت سوچ موسموں نے لگائی یہ کس طرح
کس آگ میں نہائے ہوئے ہیں چنار دیکھ
رفیق راز

مثنوی شتائیہ میں غنی کشمیری نے دست چنار کی ترکیب بھی استعمال کی ہے استعمال کی ہے۔

یہ سوز دل کا استعارہ ہے شکوہ کا شعر یوں ہے۔

اگر چہ گرفت آتش اندر کنار
نشد گرم یک لحظہ دستِ چنار
غنی کشمیری

ترجمہ : موسم خزاں میں اگر چہ چنار سلگتا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر دست چنار یعنی چنار کا پتہ لحظہ کے لئے گرم نہیں ہوتا۔

میزند پہلو بہ نخل طور از آتش چنار
زیبد ار خود را کلیم وقت داند باغبان
غنی کشمیری

یعنی آتش چنار سے نخل طور کا پہلو ابھرتا ہے باغباں اگر خود کو کلیم وقت کہے تو بجا ہوگا۔خزاں میں چنار کے سرخ پتے سلگتی ہوئی آگ جیسے دکھائی دیتے ہیں یہ شاعرانہ خیال اور ترکیب اسی مفہوم میں اقبال نے استعمال کی ہے ممکن ہے یہ خیال اقبال نے غنی کشمیری سے لیا ہو۔

جس خاک کے ضمیر میں ہو آتش چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاک ارجمند
اقبال

مثال پنجم (۵) دھند:

رفیق راز نے خموشی کو دھند کے تناظر میں استعمال کر کے درج ذیل شعر پر بدیع الاسلوبی کی مہر ثبت کی ہے۔نہایت خوبصورت شعر:

اس جگہ کون ہے یہ چلّہ کشی پر مامور
دھند کس نے یہ خموشی کی یہاں پھیلا دی
رفیق راز

مزید اشعار :

چھٹ جائے گی اک آن میں ھم کو نہ تھا پتہ
اب جاکے یہ کھلا کہ محبت کی دھند تھی

کچھ میرا بھی کلام تھا الجھا ھوا بہت
کچھ اس کے ذہن میں بھی روایت کی دھند تھی

یہ دہر وہر تو نہ تھا ہم دو کے درمیاں
حایل بس ایک گہری رفاقت کی دھند تھی

چار قدم چل کے دیکھتا تھا پلٹ کے
ایک روایت کی دھند سر میں ابھی تھی

رفیق رازؔ

خلل پذیر شد از ضبطِ گریہ نور نگاہ
ز آستین گلہ دارد چراغِ دیدۂ ما

غنی کاشمیری

ترجمہ: آنسو روکنے سے میری نگاہ دھندلی ہوگئی میری آنکھ کے چراغ کو میرے آستین سے گلہ ہے۔

توضیح : معمول یہ ہے کہ رونے سے پہلے آنسو روکنے کیلئے آستین کو آنکھوں پر گذارا یا رکھا جاتا ہے نیز یہ کہ شمع کو آستین کی ہوا سے بجھایا جاتا ہے یہاں غنی کشمیری نے اپنی آستین سے گلہ کیا ہے کہ اس نے آنسو نہیں روکے اور مزید ضبطِ گریہ سے نورِ نگاہ زائل ہو گیا ہے۔

مثال ششم (۶)

لفظ کھڑاوں کشمیر میں خاص معنی بھی رکھتا ہے لکڑی کی چپل کو کھڑاؤں کہتے ہیں جو گھروں میں پہنتے تھے لیکن کشمیر میں ایک چوڑی اور ذرا بھاری کھڑاؤں برف بھی پہنی جاتی تھی۔ مارکیٹ میں نئے نئے سنوشوز snow shoes آنے سے آجکل اس کا

رواج متروک ہے. رفیق راز نے کھڑاؤں پر معنی خیز اشعار کہے ہیں

جب تک رہے گی زیرِ قدم مٹّی گاؤں کی
تب تک رہے گی بند زُباں بھی کھڑاؤں کی
بہت پیچھے سفر میں چھوڑ آیا
کھڑاؤں کی صدا بھی نقشِ پا بھی

رفیق راز

معاصر ادب میں لفظ کھڑاؤں:

عروج آتا ہے بھاری کھڑاؤں پہنے ہوے
مگر زوال یہاں ننگے پاؤں آتا ہے

احمد عطاء اللہ

ایک فقیر چلا جاتا ہے پکی سڑک پر گاؤں کی
آگے راہ کا سناٹا ہے پیچھے گونج کھڑاؤں کی

جمال احسانی

بجلی

ہمارے ہونے کی بجلی گری تھی بس اکبار
یہ حادثہ نہ یہاں پھر کبھی دوبارہ ہوا

بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو

اقبال

تراکیب : رفیق راز کے یہاں صلابت آمیز زبان کا استعمال :لفظ گری و طرف فارسی آمیزی اگر چہ قابل اعتراض نہیں البتہ ذوقِ سلیم پر ناگوار ضرور گذرتی ہے۔لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ایسی تراکیب کو استعمال کئے بغیر دقیقہ گوئی و نکتہ سنجی و تخیل آرائی کے پایان و نہایت تک پہنچنا ممکن نہیں ۔یہی وجہ تھی کہ بیدل و غالب نے سہل پسندی کے بجائے مشکل پسندی کا راستہ اختیار کیا اور تراکیب سے تخیل آرارائی و نکتہ سنجی کو مربوط و مضبوط بنایا۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنوران کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

غالب

رفیق راز کے یہاں دوحرفی،سہ حرفی و چہارحرفی تراکیب نے کلام کو گنجینۂ طلسم معانی بنادیا تھا۔

بعض تراکیب: موسمِ غیب، جلوۂ رنگ، نخل حیران، شعلۂ خواب، دشتِ بینائی،منظرِ فصلِ وہم وگماں،خوشبوئے لالۂ کربِ آوارگاں،تصویرِ محشرِ شام،نخل ثمردار، درِ گنجینۂ اسرار،بارشِ حسرت،قلزمِ صوت و صدا، سایۂ بے خانماں،سازشِ سیارگاں، شعلگیٔ لالۂ نگاہ، چراغ دانِ جسم،شعلۂ انکار، گرمیٔ اظہار، دولت بیدار،قافلۂ ذات،ستارہ ہائے امکاں،قلعۂ حیرانی،قلعۂ سکوت،نورِ حیرت،دولتِ اسرار،عرصۂ آفاق،آلودۂ ظلمت

ع بوند بھر روشنی آلودۂ ظلمت ہے ابھی

قافلۂ رفتہ، خطۂ ویراں ، شرارۂ امکاں، سرِ نادیدہ،شہرِ سخن، قلزمِ آواز، کنارِ خاکداں،ویرانۂ جاں، حیرت کی بات یہ ہے ایک ہی لفظ سکوت کے درجنوں تراکیب باندھی ہیں یہ تنوع اور رنگارنگی دیدنی ہے اور اشعار طلسمِ گنجِ معانی ہو گئے ہیں:

عریانیٔ سکوت، پردۂ سکوت، حجرۂ سکوت، لمحۂ سکوت، لرزۂ سکوت، سورۂ سکوت، صفحۂ سکوت، جُرعۂ سکوت، نغمۂ سکوت، روزۂ سکوت، سبزۂ سکوت آوازۂ سکوت، روضۂ سکوت، شعلۂ سکوت، خیمۂ سکوت، دروازۂ سکوت، خطبۂ سکوت۔وغیرہ

رفیق راز کے یہاں اکثر اشعار کی اوپری سطح میر کی طرح شفاف نہیں اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ میر سے تمام تر عقیدتوں کے باوجود رفیق راز کا اسلوب غالب کی طرح صلابت آمیز واقع ہوا ہے۔رفیق راز زبان و بیان کی غلطیاں کم ہی کرتے ہیں اور اشعار میں فاضل یا فالتو الفاظ بھی نہیں دکھائی دیتے۔اشعار میں خیالات ادا تو ہوتے ہیں مگر ابہام کے ساتھ۔

ہم جانتے ہیں ابہام جب شعر کا مفہوم کی ادائگی میں بہت زیادہ التوا کا باعث ہو تو مذموم ہو جاتا فاروقیت اور اس سے منسلک شب خونی شعرا کے یہاں یہ عیب ایک طرح سے ہنر تسلیم کیا جاتا ہے۔فاروقی نے جدید شعر کے ابہام و جدلیاتی لفظ شرط رکھی ہے۔رفیق راز کے یہاں ایسے الفاظ کی مثالیں مل جاتی ہیں۔

رفیق راز کا لاجواب شعر:

خنک اندھیرے میں دیوارِ روح کے اُس پار
بدن کی شاخ پہ مصلوب ہوگیا تھا میں
رفیق راز

ترجمہ : ٹھنڈے اندھیرے میں یعنی روح کی کی تمازت وحرارت کے بغیر میں

نفس پروری کا شکار ہو گیا۔

بہت ہی خوبصورت شعر ہے

یہاں خنک اندھیرا نفسانی خواہش اور غفلت شعاری کا تازہ استعارہ ہے۔شاعر کہتا ہے کہ نفسانی خواہشوں کے چکر میں میرے بدن کی شاخ میرے لئے پھانسی کا تختہ بن گئی۔

باب سوئم

رفیق راز کی دو غزلیں مع توضیحات و اشارات

شعر ا

ہم تو بس اک عقدہ تھے حل ہونے تک
زنجیروں میں بند تھے پاگل ہونے تک

توضیح : یعنی ہم پاگل ہونے سے پہلے عقل و خرد کی زنجیروں میں جکڑے یا بندھے ہوے تھے۔ جب ہمارا جنوں مکمل ہوا تو ہم ہر قید سے آزاد ہو گئے۔

شعر ۲

اب وہ میری آنکھ پہ ایماں لایا ہے
دشت ہی تھا یہ دل بھی جل تھل* ہونے تک

توضیح : یعنی میری آنکھ نے میرے دشتِ بدن کو سیراب کر دیا ہے۔ پہلے میرا حریف مجھے نہیں مانتا تھا۔ لیکن میری آنکھ کے اس کرشمہ کو دیکھ کر اب وہ بھی میرا قائل ہو گیا ہے۔

* جل تھل: وہ زمین جو پانی سے ڈھک جائے (بارش کی کثرت ظاہر کرنے کے

لیے بولتے ہیں)۔

شعر:۳

عشق اگر ہے دین تو پھر ہوجائیں گے
ہم بھی مُرتد اس کے مکمل ہونے تک

توضیح : یعنی عشق کی راہ پر استقامت نہ ہونے کی صورت میں خدشہ ہے کہ ہم کہیں مرتد نہ ہوجائیں۔ مراد ہے عشق کی راہ پر استقامت وثابت قدمی کے بغیر بھٹک جانے کااندیشہ ہوتا ہے۔ظفر اقبال نے چٹخارہ کی زبان میں اسی سے ملتا جلتا شعر یوں کہا:

جھوٹ بولا ہے ظفر تو اس پہ قائم بھی رہو
آدمی کو صاحب کردار ہونا چاہئے

ظفر اقبال

شعر۴

میں پانی تھا سورج گھور رہا تھا مجھے
کیا کرتا بے بس تھا بادل ہونے تک

توضیح :میں پانی تھااور سورج نے اپنی حدّت وگرمی سے بخارات میں بدل دیایا بادل بنادیا۔عمل تبخیر purification کااستعارہ ہے

عمدہ شعر ہے

شعر۵

مجھ میں بھی تھی تیز سی خوشبو معنی کی
مہک رہا تھا میں بھی مہمل ہونے تک

یعنی پہلے پہلے میں بھی کلام میں معنی کی تیزخوشبو کا قائل تھا۔لیکن آجکل میں عامیانہ

اور سپاٹ اشعار نہیں کہتا ہوں لہذا کثافت وآلودگی سے پاک ہوگیا ہوں اور مشکل پسندی کی روش اختیار کرلی ہے۔نہایت خوبصورت شعر ہے

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

غالب

مجھ میں بھی تھی تیز سی خوشبو معنی کی
مہک رہا تھا میں بھی مہمل ہونے تک

رفیق راز

نہایت ہی بلیغ وفصیح شعر ہے

رفیق راز کی لاجواب غزل

شعرا

چٹان پر ہی ازل سے لکھا رکھا تھا
کہ حبس حرف میں موجود بے صدا تھا

توضیح :میں تو ازل ہی سے بیحس چٹان پر لکھا گیا تھا یعنی میں بے حس حرف تھا۔ چونکہ حرف کی غایت (essence) صدا ہے جو متحرک ہی ہوتی ہے۔میرا المیہ یہ ہے ابھی تک میں اس حبس وقید سے باہر نہیں نکل پایا ہوں۔

شعر:۲

ترے قدم ہی زمیں پر نہیں پڑے ورنہ
ہر ایک سمت زمیں پر بچھا ہوا تھا میں

توضیح : یعنی تو ہوا میں اڑ رہا ہے اگر تو میری زمیں سے آشنا ہوا ہوتا تو مجھے ہر

سمت بچھا ہوا پاتا۔

شعر:۳

وہ تیری کُن کی صدا گونجنے سے پہلے ہی
محیطِ دشت و جبل پر سکوت سا تھا میں

توضیح: یعنی صدائے کن big bang سے پہلے میں دشت و جبل پر سکوت کی شکل میں موجود تھا

شعر:۴

خبر نہیں تھی کہ اتنا میں پھیل جاؤں گا
چراغِ زخم سے اک دود سا اٹھا تھا میں

توضیح: میں نے یہاں سرد و گرم برداشت کئے اور چراغِ زخم سے دھواں کی طرح اٹھا یا پھیلا ہوں۔ یعنی میں اپنے مشاہدات و تجربات سے مالا مال ہو گیا ہوں۔

شعر:۵

یہ خود سے برسرِ پیکار میں ہی تھا مجھ میں
کہ میرے خول ہی میں کوئی دوسرا تھا میں

توضیح: میں اس اپنی ذات کے خول میں اپنے آپ سے نبرد آزما ہوں اور ہر مقام پر اپنے ہونے کی خود ہی نفی بھی کرتا ہوں اور یہ سفر یونہی چل رہا ہے یعنی مجھ کو کہیں کسی بھی مقام و منزل پر استقرار و ثبات نہیں ہے۔

زندگی جہدِ مسلسل ہے عظیم شعر ہے

باب ۴

رفیق راز کے منتخب اشعار

شعر ۱ تا ۱۵

رفیق راز کلاسیکی ادب کے متبحر عالم بھی ہیں ۔انہوں نے بہت سے اشعار اردو کے بڑے شعراء کے جواب میں کہے ہیں اور کہیں کہیں غالب کی طرح مستعار خیال کو منقلب بھی کیا ہے ۔رفیق راز کے کلام میں موجود ایسے اشعار پر الگ سے تحقیقی مقالہ پیش کروں گا ۔فی الحال رفیق راز کی کلام میں بہت سے اشعار بدیع الاسلوبی اور استعارہ کی تازگی کی عمدہ مثالیں ہیں ۔میں نے ایسے ہی ایک سو زائد اشعار کی نشان دہی کی ہے ۔اس سلسلہ میں رفیق راز کے چار شعری مجموعے (تین مطبوعہ اور ایک غیر مطبوعہ) میرے سامنے رہے ہیں ۔بے شک رفیق راز ہمارے عہد کے اہم کہنہ مشق اور بڑے شاعر ہیں ۔

شعر ۱

ہم سے سُپردِ خاک تو کُچھ ہی بدن ہوئے
باقی تمام لُقمۂ زاغ و زغن ہوئے

توضیح : یہاں سپرد خاک ،مخزن ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور باقی لوگوں کو زاغ وزغن نے کھالیا۔زاغ وزغن استعاراتی معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ یعنی ہم اسیر ہوس نہیں ہوئے ۔شعر کی کئی جہتیں ہیں ۔

شعر ۲

تنہا ہوا تو ہوں میں نئی رہ نکال کے
خوش ہوں مقلدوں کو مصیبت میں ڈال کے

توضیح : بڑے شعراء نے ترک تقلید کی راہ اختیار کی یعنی وہ مجتہد ہوئے ہیں اس لئے میں نے اپنے معتقدوں کو پریشانی میں ڈال دیا ہے ۔انہیں میری تقلید ترک کر کے اپنے لئے نیا راستہ بنانا پڑے گا

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہ دیگراں رفتن عذاب است
اقبال

شعر ۳

سبزہ تو دیکھ موسم گل میں بھی زرد ہے
آہستہ چل زمین کی چھاتی میں درد ہے

توضیح : سبزہ کا موسم بہار میں زرد ہونا اور زمیں کی چھاتی میں درد ہونا بلکہ نئے استعارے ہیں ۔زمیں کی چھاتی کے درد کے زیر اثر سبزہ بھی زرد ہوا ہے ۔

زمین نے بہت سے اسرار کو اپنے سینے میں دبا رکھا ہے ۔
زمین کا سینہ ۔۔۔تجسیم کی عمدہ مثال ہے

شعر۴

اٹھی ہے تو محال ہے اب اس کا بیٹھنا
دو قافلوں کے بیچ میں حائل جو گرد ہے

توضیح : گرد حرکت کا نتیجہ ہے ۔رواں دواں قافلوں کے بیچ میں گرد استعاراتی معنی میں استعمال ہوئی ہے ۔گرد اختلاف بھی ہوسکتا ہے انتشار بھی ۔کیا ہی خوب شعر ہے

شعر۵

کی تو بدن کی خوب کھدائی تمام رات
دولت نہ ہاتھ روح کی آئی تمام رات

توضیح :بدن کی کھدائی اور رات کے وقت ،محنت ریاضت ومجاہدہ کا استعارہ ہے

The heights by great men reached and kept were not attained by sudden flight, but they while their companions slept, were toiling upward in the night."

Henry Wadsworth Longfellow POET

شعر۵

موتیوں کے کھیت میں پکڑا گیا چرتے ہوئے
یعنی سرقہ میر کے دیوان سے کرتے ہوئے

توضیح :یہاں میر کے دیوان کو موتیوں کا کھیت کہا ہے جو بدیع الاسلوبی کی عمدہ مثال ہے

شعر۶

تھا تخت اُس کی مٹھی میں وہ کُتّی چیز تھی
سولہ کی ہوگئی وہ محل کی کنیز تھی

توضیحُ: کتی چیز ایک بازاری لفظ کو رفیق راز نے کمال مہارت سے آبرو بخشی ہے۔

شعر ۷

جب تک رہے گی زیرِ قدم مٹّی گاؤں کی
تب تک رہے گی بند زباں بھی کھڑاؤں کی

توضیح: گاؤں کی مٹی عمدہ استعارہ ہے اور کھڑاؤں کے زبان آہٹ کا استعارہ ہے۔گاؤں کی مٹی کچے راستوں سے عبارت ہے

شعر ۷ الف

مجھ سے اے روشنی نہ پردا کر
آنکھ والا ہوں مجھ کو اندھا کر

اشارہ: اندھا ہونا تحیر کا استعارہ ہے

شعر ۸

اگر چٹان کی یہ چُپ کلام ہے سائیں
تو پھر ہماری سماعت ہی خام ہے سائیں

اشارہ :چٹان کی چُپ کلام ہے ایک نیا استعار ہے۔

شعر ۹

اٹھا کر ہاتھ اُس نے جب دعا کی
چمک اٹھی تھی آتش بھی حنا کی

اشارہ : حنا کی آتش کا چمکنا بالکل نیا استعارہ ہے

اک اور ہی پلنگ پہ ایمان لایا ہے
اپنا پلنگ چھوڑ کے مرتد ہے وہ بدن

اشارہ :نئے پلنگ پر ایمان لانا پر لطف استعارہ ہے مراد صنفی خیانت ہے۔اردو ادب میں اسکی مثال نہیں ملتی۔

شعر ۱۰

تو جو بچھڑا تو ہر سو اندھیرا ہُوا
تجھ سے روشن مگر حافظہ ہے مِرا

اشارہ :فراق سے روشنی ملنا نیا خیال ہے

شعر ۱۱

کس نے کہا فریبِ نظر ہے
عالم سارا دھیان ہے میرا

اشارہ: فریب نظر نہیں بلکہ ہمارا دھیان یا فکر کا نتیجہ ہے

شعر ۱۲

دریا دریا رواں دواں ہے میری سوچ
کسی کے روکے رکتی کہاں ہے میری سوچ

The man who never alters his opinion is like standing water, and breeds reptiles of the mind.
William Blake

بقول شاعر

رکاوٹ خوب نہیں طبع کی روانی میں
کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

شعر ۱۳

مجھ پر خاموشی کا دین مکمل ہونے والا ہے
یعنی اب ہر لفظ زباں کا مہمل ہونے والا ہے

توضیح : خاموشی کے دین کی تکمیل اور لفظ کا مہمل ہونا شاعرانہ استدلال کی عمدہ مثال ہے۔

شعر ۱۴

چند حرفوں نے بہت شور مچا رکھا ہے
یعنی کاغذ پہ کوئی حشر اٹھا رکھا ہے

اشارہ :صفحۂ کاغذ پر لفظوں کا حشر بپا کرنا۔ بالکل تازہ استعارہ ہے

شعر ۱۵

قاتل کو روشنی میں دکھائی دیا نہ میں
ایسی چمک تھی خنجرِ براں میں بچ گیا

خنجر براں کی چمک میں قاتل کا بچ کر نکل جانا پرانے اساتذہ کے تخیل کو مزید بلند وتوسیع دینا رفیق راز کے علاوہ اس عہد کے کسی اور شاعر کے بس کی بات نہیں ۔کمال کا تخیل ہے ۔اگر چہ بنیادی خیال کلاسیکی اشعار سے ماخوذ ہے مگر بنت کے اعتبار سے یہ شعر لاجواب ہوا ہے۔

شعر ۱۶

قافلہ عُجلت میں اتنی تھا کہ مُڑ کر بھی نہ دیکھا
اور میں نقشِ کفِ پا سے زیادہ بھی نہیں تھا

توضیح : قافلے کی عجلت کی مناسبت سے خود کو نقشِ کف پا کہنا بالکل تازہ استعارہ

ہے۔نہایت خوبصورت شعر ہے۔

شعر ۱۷

بین قرطاس و قلم میرا ٹھکانہ ہے کہیں
میں وہ معنی ہوں جو شہرِ حرف کا ساکن نہیں

توضیح :شاعر نے اپنا المیہ بیان کیا ہے کہ میرا ٹھکانہ نہ تو قلم میں ہے نہ کاغذ پر، یعنی میرا اظہار مکمل ناممکن ہے۔نہایت ہی خوبصورت شعر ہے

شعر ۱۸

سارے چراغِ شہر کے صر صر بجھا گئی
بیدار آنکھ کا مری روشن رہا دیا

توضیح:بیدار آنکھ کو روشن دیا کہا ہے صرصر یہاں مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

شعر ۱۹

مدتوں بعد ہوا طاق میں روشن یہ چراغ
مدتوں بعد خیال آپ کا آیا ہے مجھے

توضیح :روشن چراغِ طاق کا اشارہ طاق نسیاں کی طرف ہے۔جسے دیکھ کا معشوق کا خیال آ گیا۔

شعر ۲۰

ایک لرزاں لو ہی کافی تھی دیے کی یا الٰہی
حجرۂ تاریک تو اتنا کشادہ بھی نہیں تھا

توضیح:لرزاں لو یعنی اچٹتی ہوئی روشنی ، حجرۂ تاریک کی تنگی کی رعایت سے موزوں ہے۔

شعر:۲۱

بیج سے نکلا شجر بیج ثمر سے نکلا
اوّلیں دانہ مگر جانے کدھر سے نکلا

اشارہ : قدرت کے اسرار انسانی سمجھ سے باہر ہیں بیج اور شجر کی مثال سے راز سربستہ کی تشبیہہ دی ہے۔

شعر ۲۲

آستیں میں میری پَل کر مجھ ہی کو ڈستا ہے وہ
جی یہ عادت تو نہیں فطرت ہے میرے مِتر کی

توضیح : متر پنجابی لفظ کو وقار و آبرو بخشی ہے۔

شعر ۲۳

اس بوجھ سے تو دوہری ہوئی جاتی ہے کمر
دریا میں نیکیوں کو کہیں پھینک آئیں چل

توضیح: نیکیوں سے پشت کا دوہرا ہونا نیا خیال ہے نیکیوں کے زیر بار ہو کر کوتاہ قد ہونا اچھوتا خیال ہے۔ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔

شعر ۲۴

جو آگ انگلیوں میں ہماری ہے لمس کی
اک دوسرے کے جسم کو اس میں تپائیں چل

توضیح : انگلیوں کی پوروں میں لمس کی شدید خواہش کو آگ سے استعارہ کیا ہے۔ بہت ہی خوبصورت شعر ہے۔

شعر ۲۴

دستار خیر ہم کو خبر ہے کہ کیا ہوئی
شانوں پہ تیرے وہ جو مگر سر تھا کیا ہُوا

توضیح : وہ دستار کی بات کرتا ہے جس کے کندھوں پر اپنا سر ہی نہیں ۔ایک نئے پیرائے سے طنز کی ہے۔

شعر ۲۵

عرصہ ہوا تھا اسپ کے سُم کی صدا سُنے ہوئے
گردِ فضا میں دیکھ کر کان مِرے کھڑے ہوئے

توضیح: میں نے مدت سے گھوڑے کے سُم کی آواز نہیں سنی تھی جب فضا میں گرد اٹھی تو میرے کان کھڑے ہو گئے کہ کہیں کوئی اسپ سوار آنکلا ہے ۔ یہاں گرد برق پا سواری کا مشارالیہہ ہے۔

شعر ۲۶

سبزہ نہ کہیں سقف و در و بام پہ اُگ آئے
اس ڈر سے کبھی گھر سے میں نکلا ہی نہیں تھا

توضیح :غالب کے خیال کی تقلیب سے نیا خیال پیدا کیا ہے

شعر ۲۷

یارب وسیع خانۂ زنجیر سے نکال
آدم ہوں مجھ کو جنتِ کشمیر سے نکال

توضیح : جنتِ کشمیر کو وسیع خانۂ زنجیر کہا ہے ۔خانۂ زنجیر سے صدا کا نکلنا ہبوط آدم کی طرف اشارہ ہے ۔گویا جنت بھی محدود مقام ہے شاعر اس سے نکلنا چاہتا ہے عمدہ شعر

ہے۔اس شعر کو اقبال کے شعر سے بھی سمجھا جاسکتا ہے

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی
اقبال

شعر ۲۸

کب ٹوٹتی ہے دیکھئے بے حس زمیں کی نیند
ہم نے فلک کو سر پہ اٹھایا ہُوا تو ہے

اشارہ :فلک کو سر پر اٹھانا آہ و فغاں کا استعارہ ہے

شعر ۲۹

نکلی نہ جوئے نور ہی یہ اور بات ہے
شب کا پہاڑ پلکوں سے کاٹا گیا تو ہے

توضیح :پلکوں کے جھپکنے کو تیشہ کی ضرب کاری کہا ہے

شعر ۳۰

گری نہ برقِ صدا ایک بھی ترے لب سے
سماعتوں پہ اندھیروں کا راج ہے کب سے

اشارہ :سماعتوں کے اندھیروں کی رعایت سے برق صدا اچھوتا خیال ہے

شعر ۳۱

اس جگہ کون ہے یہ چلّہ کشی پہ مامور
دھند کس نے یہ خموشی کی یہاں پھیلا دی

توضیح :چلّہ کشی یعنی مکمل تخلیہ یا خلوت نشینی کی نسبت سے خموشی کی دھند پھیلانا مجرد خیال ہے۔

شعر ۳۲

رخسار و زلف ولب پہ لکھی جائے اک کتاب
اس کے ہوں تین باب سفید و سیاہ و سرخ

اشارہ :زلف ولب ورخسار کی رعایت سے سفید وسیاہ وسرخ کمال ہے۔

شعر ۳۳

روئے زمین تو لان ہے میرا
اور فلک دالان ہے میرا

تمام زمیں کو اپنا صحن کہنا اور فلک کو دالان تخیل آرائی و وسیع المشربی کی انتہا ہے۔

شعر ۳۴

تم کو نہیں معلوم یہ عالم
دیباچۂ دیوان ہے میرا

اشارہ :عالَم یعنی دنیا کو اپنے دیوان کا دیباچہ کہنا اس مطلب شاعری شرح آفاق و آیات ظاہری بھی ہے۔بڑا شعر ہے۔

شعر ۳۵

مانگتی ہے قبا حرف کی مجھ سے روز
روح جیسی بھٹکتی ہوئی اک صدا

حرف کو قبا اور روح کو صدا کہا ہے بالکل اچھوتا خیال ہے۔

شعر۳۶

ایک پیکر کا استعارے تک
سانپ کا سا سفر پٹارے تک

توضیح: خیال کو الفاظ کا پیکر دینا سانپ کو پٹارے میں قید کرنے کے مترادف ہے۔لطیف خیال ہے

شعر۳۷

میں نے آنکھیں بچھائی ہیں اپنی
شوق کے دوسرے کنارے تک

اشارہ: شوق دریا یا سمندر ہے اور آنکھیں کشتی کی طرح ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک بچھتی اور تیرتی ہیں۔

شعر۳۸

اونچے ایواں میں بیٹھے لوگ کبھی
سُن نہ پائے ہمارے نعرے تک

اشارہ: اونچے ایواں اور عوام کے نعرے، ہر عہد کے امراء و عوام کی درمیانی دوری کا معاملہ اس شعر میں بیاں ہوا ہے۔

شعر۳۹

ہے مِری سرگذشت کا عنوان
ایک ذرّے سے اک ستارے تک

اشارہ : حیرت انگیز سرگزشت ہے جس کا عنوان یا تمہید و سرنامہ یا دیباچہ بیک وقت چھوٹے سے لے کر بڑے تک، جُز سے لے کر کلاں تک یعنی سب کا احاطہ کرتا ہے۔

غزل ۴۰

یہ جھوٹ ہے وہ مٹی تلے مقبرے میں ہے
مثلِ شہید زندہ مرے حافظے میں ہے

اشارہ :شہادت کی نئی اور خوبصورت توضیح ہوئی ہے۔

شعر ۴۱

کام رہ جاتے ادھورے ہیں مِرے تیرے سبب
سوچ میں پڑتا ہوں کوئی کام بھی کرتے ہوئے

اشارہ :معصوم سا خیال ہے

شعر ۴۲

کُن سے پیدا ہوا تھا پہلا شور
آخری ہوگا حشر والا شور

توضیح: حیات کی ابتدا روز آفرینش سے ہی شور سے ہوئی اور اسکی انتہا بھی شور پر ہوگی۔عالی شعر ہے۔

یہی خیال غزالی مشہدی کے یہاں دوسرے پیرایہ میں ملتا ہے

شورے شُد و از خوابِ عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقیست شبِ فتنہ، غنودیم
غزالی مشہدی

شعر ۴۳

میں بھی ایک صدا ہوں اسی زمانے کی
گونج رہا ہوں لیکن ریگستانوں میں

اشارہ : شکوہ عیاں ہے صدا بصحر ا

شعر ۴۴

ہم تو اپنی پیاس بجھانے آئے تھے
آگ انڈیلی ساقی نے پیمانوں میں

توضیح : ساقی کے لطف نے شراب نہیں بلکہ آگ انڈیل دی عمدہ مبالغہ ہے
hyperbole

شعر ۴۵

میں نابلد نہیں آدابِ وصل سے لیکن
بگڑ گیا ہوں میں تنہائیوں کی صحبت میں

اشارہ : معشوق کے ساتھ بکثرت تنہائیوں میں رہنے نے مجھے بے تکلف بنا دیا
یا Francis Bacon ”Opportunity Makes the Thief

شعر ۴۶

مرا تو اور کہیں کوئی منتظر بھی نہ تھا
صدا جو پیچھے سے دیتا کوئی، تو رُکتا میں

توضیح : غیرت اتنی ہے کہ میں بڑھا ہی چلا جاتا ہوں ۔البتہ اگر کوئی آواز دیتا تو میں ضرور رُک جاتا اس طرح میری غیرت کی لاج رہ جاتی ۔لاجواب شعر ہے ۔

شعر ۴۷

رگ رگ میں حادثاتِ گزشتہ کا زہر ہے
ڈھلتے نہیں ہیں سانحے شعروں میں حال کے

توضیح : گذشتہ حادثات کا زہر میری رگ رگ میں بھرا ہے لیکن میرے یہ سارے تجربے اشعار میں نہیں ڈھل پائے ہیں۔

شعر ۴۸

فلک کے سر سے گزرتی ہے موجِ آب مِری
بچھا ہوا ہوں زمیں پر سراب جیسا میں

توضیح :اگر چہ زمیں پر میرا ہونا ایک دھوکہ یا فریبِ نظر سا ہے لیکن اس کے باوجود میرے ہونے کا غلغلہ آسمانوں میں ہے۔

یعنی۔

سراب کے اندر ایک ایک ایسی موج ہوں جسکی جس کی چمک آسماں سے گذرتی ہے۔

شعر ۴۹

ہمارے بیچ زمانے کا شور بہتا ہے
تو اِس طرف کا کنارا ہے اُس طرف کا میں

توضیح :ازل و ابد کے درمیان زمانہ ہے حدِ فاصل ہے۔جب زمان و مکاں کی حد ہو جائے گی اول ہی آخر ہو گا۔کمال کا شعر ہے۔

شعر ۵۰

لایا تھا مجھے منظرِ مہتاب تہِ آب
دیکھا تو ملا کچھ نہیں جُز آب تہِ آب

توضیح :یعنی مہتاب کا منظر ہی مجھے پانی کے نیچے لایا۔میں اس عکس کے تعاقب میں پانی کے نیچے چلا گیا۔لیکن مجھے وہاں پانی پانی ہی ملا۔

شعر ۵۱

کرتا ہے خلا خوف کا اظہار سمٹ کر
پر تول رہا ہے کوئی سرخاب تہِ آب

توضیح: سرخاب دنیا کا خوبصورت ترین پرندہ ہے مراد میرے تحت الشعور میں کوئی سرخاب کروٹ لے رہا اس کا حسن دیکھ خلا کی بے رنگ لامحودیت سمٹ رہی ہے سرخاب علامت ہے مراد شعر یا کوئی اور خوبصورت تخلیق بشری بھی ہو سکتی ہے۔

لاجواب شعر ہے

شعر ۵۲

پانی میں سفینہ ہے سفینے میں ہے پانی
ہے آب فقط آب سرِ آب تہہِ آب

توضیح: یہ شعر وحدت الوجود کی طرف ہے سفینہ سے مراد ہر زندہ مخلوق ہے۔
"وجعلنا من الماء كل شيء حي"(القرآن)

روشن ہیں ابھی خواب ترے دیدۂ تر میں
محفوظ ہیں کچھ لعل نظر تاب تہِ آب

یہاں خوابوں کو لعل نظر تاب کہا ہے۔

شعر ۵۳

بوئے سکوت خانۂ افسردگاں سے آئے
موجِ نسیم شہر میں آئے جہاں سے آئے

توضیح :ویرانی بہار ہے افسردگان کے گھروں سے بوئے سکوت لے آئے۔ موج نسیم ممکن ہے یہ نوید لائے جہاں سے بھی وہ آئے۔ مگر بوئے سکوت افسردہ دلوں

کے گھر سے ہی آئے گی عمدہ شعر ہے۔

شعر ۵۴

سونا پڑا ہے شہرِ بدن، کوئی راہرو
اک آگ لمس کی لئے صحرائے جاں سے آئے

توضیح : میرا بدن سونا سونا ہے ممکن ہے یہ اس کے لمس کی آگ سے جاگ اٹھے۔

شعر ۵۵

یادِ گلوئے خشک ہی سیراب کر گئی
پانی پیئے بغیر ہی نہرِ رواں سے آئے

توضیح: کربلا کی طرف اشارہ ہے
یعنی خشک گلے کی یاد اور آبِ سناں نے مجھے سیراب کر دیا۔

شعر ۵۶

دل کی فصیل سنگ میں پڑتی نہیں دراڑ
خوشبو جہانِ غیب کی اس میں کہاں سے آئے

اشارہ : فصیل سنگ میں دراڑ یعنی شکستگیٔ دل

شعر ۵۷

عنواں جنوں ہے اس میں فقط ایک باب کا
یعنی یہ دشت ایک ورق ہے کتاب کا

توضیح : یہ وہ کتاب جسکا جنوں ایک باب ہے۔ اور دشت کو ورق سے تشبیہہ دی ہے۔

شعر ۵۸

ترتیب ہی الگ ہے مرے شہرِ ذات کی
شُعلہ تو اک ثمر ہے یہاں نخل آب کا

توضیح : نخل آب سے مراد آنکھ یا فوارہ ہے یعنی میری شعری ترتیب ہی مختلف ہے ۔اس میں جو بھی نخل آب اگے گا اس پر پھل ''شعلہ'' ہوگا ۔لاجواب شعر ہے ۔بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ شعر میں کھلا پیغام ہونا چاہیے ۔وغیرہ

میرے خیال میں انکا ہر ایسا مطالبہ درست نہیں ۔شاعری دیگر فنون لطیفہ کی طرح کسی بھی تشکیلی مدعا یا تنظیمی مقصد کی متحمل نہیں ہوسکتی ۔بڑی مصوری محض مصوری ہوتی ہے نہ کہ Icon یا Index وغیرہ کی طرح یعنی ضروری نہیں براہ راست وہ کوئی پیغام دے ۔

ایسے ہی بڑی موسیقی میں کوئی پیغام نہیں ہوتا ۔اعلی شاعری ہو یا aesthetics جمالیات کو ہم پیغامات سے لاد نہیں سکتے البتہ اس کے اندر ایک تہ بہ تہ ملفوف پیغام ضرور ہوتا ہے ۔حقیقی شاعر تو فقط شعر کہتا ہے اور حقیقی شعر کی طرفیں کھلی ہوتی ہیں ۔ابہام استعارہ تشبیہ و جدلیاتی لفظ کی خوبصورتی اور تازگی، وغیرہ جیسے کوائف وخصوصیات و دیگر صنائع و بدائع شعر کا معیار وضع کرتے ہیں ۔شاعری کی جمالیات اور پیغامات کا براہ راست کوئی باہمی تعلق نہیں ۔شاعری میں خیالات کے بجائے جمالیات حاوی ہوتی ہے

اس بارہ میں مشہور مقولہ ہے

Poetry often conveys a message through figurative language.

بقول اقبال

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

رفیق راز کے اشعار

شعر ۵۹

میرا ہر کام قیامت ہی اٹھادیتا ہے
تو نے ہر کام قیامت پر اٹھا رکھا ہے

سہل ممتنع شعر ہے اور زبردست

شعر ۶۰

یہ مرا آنگن نہیں صحرا ہے میرے سامنے
یا کوئی اندر کا ڈر پھیلا ہے میرے سامنے

توضیح :یعنی میرا آنگن میں جانا آج کل صحرا جیسا پُر خذر ہے ۔ناسازءِ حالات پر کہا گیا ہے یہ شعر

شعر ۶۱

ہمارے ہونٹ ہی پتھر کے ہیں وگرنہ میاں
ہم ایک آگ لئے پھرتے ہیں دہانوں میں

توضیح: ہم اپنے منہ میں آگ لئے ہیں لیکن ہمارے ہونٹ پتھر کے ہیں ۔جنہوں نے اس آگ کو روک رکھا ہے ۔

شعر ۶۲

کچھ میرا بھی کلام تھا الجھا ہوا بہت
کچھ اس کے ذہن میں بھی روایت کی دھند تھی

توضیح: یعنی روایت زدہ لوگ میرے نئے استعارات سمجھنے سے قاصر ہیں ۔

شعر ۶۳

میرا چراغِ شہرِ سخن میں چمکتا کیا
گہری یہاں بہت ہی سیاست کی دھند تھی

توضیح: شعرا کی باہمی چشمک کی طرف اشارہ ہے۔

شعر ۶۴

سماعتوں کے بیاباں نہ کرسکا سیراب
حصارِ حرفِ ادق سے نکل نہ پایا میں

توضیح: یعنی میرا کلام آسان نہیں تھا اس لئے سماعتوں کے دشت کو سیراب نہیں کرسکا یعنی عوام میرے اشعار سمجھ ہی نہیں سکے۔ اس کے باوجود میں مشکل گوئی سے باز نہیں آیا۔ مراد میری شاعری عوام الناس کے لئے تھی ہی نہیں۔

شعر ۶۵

اگر چٹان کی یہ چپ کلام ہے سائیں
تو پھر ہماری سماعت ہی خام ہے سائیں

توضیح: چٹان کی خاموشی ہی کلام ہے تو پھر بولنے کا کیا فائدہ۔ چٹان کی خاموشی خود ہی داستاں کہہ سنا رہی ہے۔

شعر ۶۶

اوجھل ہوا ہے اپنی ہی آنکھوں سے سر بسر
وسعت سے ڈر گیا ہے یہ صحرا غبار کی

توضیح: پھیلی ہوئی غبار نے صحرا کو فریب میں مبتلا کر دیا صحرا بے کنار ہوتے ہوئے بھی غبار کے جھل سے ڈر گیا یا اپنی وسعت کا منکر ہو گیا یعنی یہ حیرت کی بات ہے۔

شعر ۶۷

یہ جو آنسو ابھی ابھی ٹپکا
استعارہ ہے شادمانی کا

توضیح : غمی اور خوشی کی پیٹھ جڑی ہوئی ہوتی ہے اس لئے آنسو خوشی کا استعارہ ہے۔عمدہ شعر ہے۔

شعر ۶۸

دانش و علم سے ہے مالا مال
کتنی چُپ چاپ ہے یہ الماری

اشارہ حسن تعلیل مرتب ہوئی ہے

رفیق راز کے مزید سہل ممتنع اور خوبصورت اشعار۔

شعر ۶۹

جن پہ کوئی بھی چل نہ پائے گا
ہم نے وہ راستے بنائے ہیں

شعر ۷۰

پیچھے گرد و غبار تھا میرے
آگے دیوارِ تن کا سایا تھا

شعر ۷۱

سنا ہے وقت کی منزل ہے حشر کا میدان
اسی لئے تو بہت تیز گام ہے سائیں

شعر۷۲

لوگ جس کو سراب کہتے ہیں
اک تصوّر ہے بہتے پانی کا

شعر۷۳

رنگ دنیا کے اور بھی ہیں کچھ
کبھی کھڑکی سے میری دیکھا کر

شعر۷۴

دل نے لگادیا ہے کسی اور کام پر
آیا تو میں یہاں تھا کسی اور کام سے

شعر۷۵

آج بنجر ہے کیوں زمیں اتنی
اس میں اُگتی تھی فصلِ سر بھی کبھی

شعر۷۶

بہت پیچھے سفر میں چھوڑ آیا
کھڑاؤں کی صدا بھی نقشِ پا بھی

شعر۷۷

حشر برپا ہے پوری بستی پر
پھر کھلے ہیں گلاب ٹہنی پر

شعر ۷۸

کسر باقی نہ چھوڑی آندھیوں نے
مجھے تھامے رکھا اپنی جڑوں نے

رفیق راز

شعر ۷۹

علاقے تو مرے ہی شہر کے ہیں
مگر دشت و بیاں لگ رہے ہیں

رفیق راز کا شعر پڑھ کر عربی کا ایک شعر یاد آتا ہے۔

أمّا الخيام فإنها كخيامهم
وأرى نساء الحي غير نسائها

اَبوبکر الشبلی

ترجمہ: خیمے تو انہی کے خیموں جیسے ہیں لیکن الحی قبیلہ کی عورتیں ان کی عورتوں جیسی نہیں ہیں۔

شعر ۸۰

بگولہ بن کے اٹھا تو میں تھا خرابے سے
بپا ہوا نہ کوئی حشر آسمانوں میں

توضیح: میں یعنی الانسان اگر چہ بگولہ بن کے اٹھا تھا لیکن آسماں میں کوئی حشر برپا نہ کرسکا۔ یہ شعر انسان کی بے بسی پر کہا گیا ہے انسان قضا و قدر کے آگے ہیچ ہے۔

شعر ۸۱

قدم روک مت پیچھے مُڑ کے نہ دیکھ
یہ آواز کم بخت دنیا کی ہے

اشارہ دنیا کے فریب میں نہ آنے کی ترغیب دی ہے۔

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

میر

رفیق راز نے" آواز" پر ایک اور شعر اچھا شعر کہا ہے۔

کسی کہسار سے آواز کوئی آتی ہے
ایک لمحے کے لئے روشنی ہوجاتی ہے

شعر ۸۲

گیا ہے خوف سارا رات کی سلطانی کا دل سے
اکیلے طاق پر جلتا ہوں اب کس شان سے میں بھی

اشارہ

روشن چراغ کو جرأت و بہادری کا استعارہ کیا ہے۔

شعر ۸۳

تو نے بھی خوب لوٹی یہ راجدھانی کچھ دن
تو نے بھی کی حکومت اک دو مہینے دل پر

رفیق راز

اشارہ: دل کا لٹنا عام خیال ہے مگر خوبصورت شعری پیکر ہے۔

شعر ۸۴

ہم کام کے ابھی ہیں یہاں سے گزر کے دیکھ
پتھر ہوئے ہیں میل کے ہم انتظار میں

اشارہ

انتظار میں پتھرا جانا اور پھر سنگ میل ہونا بالکل نیا خیال ہے۔

شعر ۸۵

ہوا اگر چہ بہت تیز ہے مگر پھر بھی
میں خاک ہوں یہ مرے کام آتی رہتی ہے

اشارہ :

ہوائے تیز، خاک یعنی گرد وغبار کو اٹھالے جاتی ہے۔ یعنی خاک کی عاجزی کے باعث ہوا اسکی غلام ہو جاتی ہے۔

شعر ۸۶

وہ اک نگاہ بھی نیزے سے کم نہیں یعنی
ہمارے خونِ جگر میں نہاتی رہتی ہے

اشارہ معشوق کی نگاہ گویا دشنہ وخنجر ہے

شعر ۸۷

اچانک آ لیا شورِ قیامت نے ہمیں یعنی
ابھی ہم سن رہے تھے آہٹیں گزرے زمانوں کی

اشارہ: ہم تو عظمت رفتہ کے خیالوں اور قصوں سے دل بہلا رہے تھے کہ دفعتہً شورِ قیامت نے آ کر دبوچ لیا۔

Man Proposes, God Disposes

شعر ۸۸

لب سی لئے ہیں ہم نے کچھ ایسے رفیق راز
جیسے ہمارے سینے میں کوئی خزانہ ہو

اشارہ: خاموشی کو بیش بہا خزانہ کہا ہے۔

شعر ۸۹

حدوں میں اس کی داخل ہو چکا ہوں
میں اپنی ذات سے اب ماورا ہوں

توضیح: میں اس کے رنگ میں رنگ گیا ہوں لہذا میرا اپنا کوئی رنگ نہیں رہا

شعر ۹۰

نجات ملتی نہیں پتھروں کی بارش سے
یہ کس درخت کے ہم برگ و بار ہو گئے ہیں

توضیح: پھلدار درخت پر اکثر پھل اتارنے کے لئے بچے پتھر پھینکتے رہتے ہیں اسی خیال سے استفادہ کیا ہے۔

شعر ۹۱

تری تلاش میں پھیلے زمین میں اتنے
اک آب جو تھے ہم اب بے کنار ہو گئے ہیں

تواضیح: تیری تلاش میں آب جو کی طرح سرگرداں رہے۔ ہم اب محیط بے ساحل ہو چکے ہیں یعنی خود سمندر

شعر ۹۲

میں گونجتا تھا حرف میں ڈھلنے سے پیشتر
گھیرا ہے اب سکوت نے اوراق پر مجھے

توضیح : حرف میں ڈھل جانے کے بعد مجھے سکوت نے گھیر لیا ہے۔ یعنی کہیں میرے اظہار میں کوئی نقص رہ گیا ہے یا پھر اشعار میں میرے خیالات کا اظہار ممکن نہیں ہوسکا۔

شعر ۹۳

تھے گنج بے قیاس تہہِ قلزمِ وجود
ڈوبا جو میں تو مل گئے لعل و گہر مجھے

توضیح : سب خزانے ہمارے وجود کے طلاطم خیز دریا میں ہیں۔ ہم نے اس کے اندر غوطہ زنی کر کے کچھ کچھ لعل و جواہر نکال لائے ہیں۔

بقدرِ الکدِّ تکتسبُ المعالی
ومن طلب العلا سہر اللیالی
ومن رام العلا من غیر کدٍ
أضاع العمر فی طلب المحال
تروم العز ثم تنام لیلاً
یغوص البحر من طلب اللآ لی

محمد بن اِدریس الشافعی

آخری مصرع

يغوص البحر من طلب اللآلي

جس کو موتیوں کی تلاش تھی اس نے خطرات مول لے کر غوّاصی کی اور وہی حظ یاب ہوا۔

یُحَظُّ بالسیادۃ ولنوالِ

یہی لوگ سرداری کے شایان ہیں نعمتوں کے مالک بھی

شعر ۹۴

سانپ سی ہے اگر چہ سانپ نہیں
پھن اٹھا سکتی ہے ڈگر بھی کبھی

توضیح : اگر صراطِ مستقیم چھوڑ کر سانپ کی طرح sinusoidal یعنی لہر نما راستہ (غیر صراطِ مستقیم) پر چلو گے تو زندگی مہلک و موذی ہو سکتی ہے۔ یہاں سانپ اور اسکی کی لہر نما چال کو غیر صراط مستقیم کا استعارہ کیا ہے۔ڈگر اکثر لہر نما (سائنو سائیڈل) ہوتی ہے۔رفیق راز کا یہ شعر میرے نزدیک بڑا شعر ہے۔

اسی سے ملتا جلتا شعر

دے گی ہمارا ساتھ نہ جانے کہاں تلک
خاکِ سیہ پہ سانپ سی لیٹی ہوئی سڑک
رفیق راز

شعر ۹۳

توڑتا ہوں سکوتِ دام بلا
پھڑ پھڑا تا ہوں اپنے پر بھی کبھی

توضیح : قفس میں بےبسی کی یہ حد ہے کہ سکوت توڑنے کے لئے فقط پر پھڑا تا ہوں اس کے علاوہ بولنے اور چلانے پر بھی پابندی ہے۔اور قفس میں پر پھڑانا ہی

میری زندگی کا اظہار ہے ۔

مولنائے رومی نے کہا ہے

من آتشین زبانم از عشق تو چو شمع
گویی ہمہ زبان شو و سر تا قدم بسوز

ترجمہ: تیری محبت کی وجہ سے میری زبان جلتی ہے۔
گویا تو کہے گا میں سر سے پاؤں تک زبان ہو چکا ہوں اور جل رہا ہوں۔

شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

اقبال

ہر چہ در دل گذرد وقف زبان دارد شمع
سوختن نیست خیالی کہ نہان دارد شمع

بیدل : شمع کے دل میں جو بھی خیال گذرتا ہے اسے وہ زبان پر لاتی ہے یہ جلنا محض خیالی نہیں بلکہ عملی واقع ہوا ہے۔شمع اپنی جان جلا کر دوسروں کو نور وضیا بخشنے کا عمدہ استعارہ ہے۔ان سے قطع نظر رفیق راز نے پر پھڑانے کو اپنے ہونے کا استعارہ کیا ہے عمدہ شعر ہے۔

شعر ۹۴

اٹھو کہ جوش پہ آئی ہوئی ہے وہ رحمت
یہ وقت دست کے کشکول میں ہے ڈھلنے کا

صبح کا وقت ہاتھ کو کشکول بنانا دعا کا استعارہ ہے

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کے لیے.
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی.
جوش ملیح آبادی

شعر ۹۵

یہ بت بنے گا خدا تو جسے تراشا ہے
یہ ڈال دے گا ترے دست باکمال پہ خاک
رفیق راز

اردو کا مشہور شعر

تراشا تھا جنہیں مری فکر نے
وہ بت رفتہ رفتہ خدا بن گئے
مسافر لٹے راستوں میں مگر
کئی راہزن رہنما ہو گئے

شعر ۹۶

روشن رہی چراغ کی صورت تمام رات
بیدار آنکھ رات کا نقصان کر گئی

یعنی آنکھ روشن آنکھ نے پوری رات بیدار رہ کر رات کے اغراض و مقاصد کو شکست دے دی ۔ رات کا وقت تو غفلت و نیند کے علاوہ سکون و ثبات کے لئے تھا۔میری بیدار آنکھ نے اسکا مقصد فوت کر دیا۔

شعر ۹۷

مٹتے ہی جا رہے تھے مرے نقشِ پا وہاں
کرنا پڑا گریز مجھے راہِ عام سے

توضیح: میں بے سنگلاخ اور پتھریلی راہ ہر نشان قدم ثبت کر دیے ہیں۔ جنہیں مٹانا آسان نہیں۔ اور اس راہ پر چلنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

شعر ۹۸

ان تن آسانوں پہ واجب ہی نہیں کوئی سفر
جو الگ اپنا کوئی رستا بنا سکتے نہیں

رفیق راز

شعر ۹۹

دل میں اس آگ کو بیدار کیا جائے گا
جس کے بل بوتے پہ انکار کیا جائے گا

آگ جزبہ و ہمت کا استعارہ ہے۔

شعر ۱۰۰

ایک آواز کی آندھی سے اچانک اک روز
کوہِ بدمست کو مسمار کیا جائے گا

اشارہ۔ آواز سے مراد صورِ اسرافیل ہے۔

شعر ۱۰۱

پھر ہر اک چیز اگل دے گی دفینے اپنے
اور ہر اک جسم کو اخبار کیا جائے گا

توضیح :مذکورہ بالا شعر میں سورہ زلزال کی زبردست شرح ہوئی ہے۔

یعنی جب زمین تھرتھرادی جائے گی تو۔۔۔۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا(4)بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا(5) القرآن

اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی اس لیے کہ تمہارے رب نے اسے حکم بھیجا۔

نخلِ نور

ایک سو ایک
رفیق راز کی منتخب غزلیں

مع مقدمہ و مضامین

از

غنی غیور

تسبیح

۱۔ ایک صراحی بولی قلقل اللہ ہو ____________________72
۲۔ ہوا کے دوش پہ ہم بھی سوار ہو گئے ہیں ________________73
۳۔ سبزہ تو دیکھ موسمِ گل میں بھی زرد ہے ________________74
۴۔ جوئے کم آب سے اک تیز سا جھرنا ہوا میں ______________75
۵۔ تمام شہر تھا جنگل سا اینٹ پتھر کا ___________________76
۶۔ چند حرفوں نے بہت شور مچا رکھا ہے ___________________77
۷۔ ہم تو بس ایک عقدہ تھے حل ہونے تک _________________78
۸۔ ہوا میں جو یہ ایک نمناکی ہے ______________________79
۹۔ کس نے کہا تم سے کہ وسیلہ ہی نہیں تھا _________________80
۱۰۔ اک اجالا تھا مرے حجرے کے اندر ایسا ______________81
۱۱۔ کب سے ہوا کے سامنے ہے یہ ڈٹا ہوا _________________82
۱۲۔ مجھ پر خاموشی کا دین مکمل ہونے والا ہے ______________83
۱۳۔ مجھ کو لگا گلاب سا کوئی کھلا ہوا ______________________84
۱۴۔ لایا تھا مجھے منظرِ مہتاب تہِ آب ____________________85

۱۵۔ ایک ہی شعلہ تھا اقلیمِ ہوا میں روشن ________________86

۱۶۔ دریا دریا رواں دواں ہے میری سوچ ______________87

۱۷۔ سادہ کاغذ پہ کیا چمکتا ہوں ____________________88

۱۸۔ میں سمندر نہیں صحرا ہوں ______________________89

۱۹۔ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے __________________90

۲۰۔ یارب وسیع خانۂ زنجیر سے نکال __________________91

۲۱۔ فقط بفضل بدیع العجائبات رفیقا _________________92

۲۲۔ چٹان پر ہی ازل سے لکھا رکھا تھا _________________93

۲۳۔ کن پستیوں سے، پست، اٹھا اور ہُوا بلند ______________94

۲۴۔ روئے زمین تو لان ہے میرا ____________________95

۲۵۔ ہے مری آنکھ کی یہی تفسیر _____________________96

۲۶۔ تُو جو بچھڑا تو ہر سو اندھیرا ہوا ___________________97

۲۷۔ اذنِ سفر ملا نہ مسافر کو دیر تک __________________98

۲۸۔ یاقوت ہے عقیق وزبرجد ہے وہ بدن ________________99

۲۹۔ کی تو بدن کی خوب کھدائی تمام رات ______________100

۳۰۔ ایک پیکر کا استعارے تک _______________________101

۳۱۔ یہ جھوٹ ہے وہ مٹّی تلے مقبرے میں ہے ______________102

۳۲۔ موتیوں کے کھیت میں پکڑا گیا چرتے ہوئے ____________103

۳۳۔ کُن سے پیدا ہُوا تھا پہلا شور ____________________104
۳۴۔ ہم نہ بہاتے خون اگر میدانوں میں ________________105
۳۵۔ زبانِ خلق خدا بند تھی عدالت میں ________________106
۳۶۔ ہاں وہ درویش ہے پر کتنا ہے ___________________106
۳۷۔ مرا ہے قبلہ و کعبہ ترا یہ دروازہ ___________________107
۳۸۔ پورے کا پورا مرے آدھے میں ہو _______________108
۳۹۔ روشنی سے نکل کے آئے ہیں ___________________109
۴۰۔ زمیں پہ بوجھ ہیں یہ بے ثمر خمیدہ شجر _______________110
۴۱۔ تھا تخت اُس کی مُٹّھی میں وہ کُتّی چیز تھی ______________111
۴۲۔ ہاتھوں میں تھی کماں نہ میسّر خدنگ تھا ________________112
۴۳۔ غضب کی کاٹ تھی اب کے ہوا کے طعنوں میں __________113
۴۴۔ کون کہتا ہے میں اکیلا تھا ______________________114
۴۵۔ اٹھا کر ہاتھ اُس نے جب دعا کی __________________115
۴۶۔ جاؤں تو جاؤں کہاں خطۂ بارانی میں _______________116
۴۷۔ رنگ کوئی ایک منظروں میں نیا تھا ________________117
۴۸۔ یہ جو دیارِ توکّل میں اب رُکا ہُوا ہے _______________118
۴۹۔ جب تک رہے گی زیرِ قدم مٹّی گاؤں کی _______________119
۵۰۔ خُشک لب لوگ صف آرا ہوئے ہیں پانی پر ____________120

۵۱۔ زیرِ قدم نواحِ زمین وطن تو آئے ________________ 121

۵۲۔ آیا ہوں لوٹ کے میں ابھی دشتِ خواب سے ____________ 122

۵۳۔ کوئی طلسم ہے یہ سفر بھی مقیم کا ________________ 123

۵۳۔ ہم نے مدحت خوانیِ آہوئے تاتاری بھی کی ہے __________ 124

۵۴۔ اگر چٹان کی یہ چُپ کلام ہے سائیں ______________ 125

۵۵۔ کل رات جلوہ گہ میں قیامت کی دھند تھی ______________ 126

۵۶۔ وہ قیامت کا ہے فتنہ اور نہ ہی آفت وغیرہ ____________ 127

۵۷۔ جلتا ہوا جو چھوڑ گیا طاق پر مجھے ________________ 128

۵۸۔ یہ پل سکوت کے آواز میں ہے ڈھلنے کا ______________ 129

۵۹۔ ہاں میں دریا ہوں رائگانی کا __________________ 130

۶۰۔ ہاں کسی شُعلۂ دعا کا تھا ____________________ 131

۶۱۔ مجھ سے اے روشنی نہ پردا کر __________________ 132

۶۲۔ رسّی تو ہے دراز مرے اعتبار کی ________________ 133

۶۳۔ اک فلک اور ہی سر پر تو بنا سکتے ہیں ______________ 134

۶۴۔ دیکھو تو کیا کمال ہوا انہدام سے ________________ 135

۶۵۔ جلتا ہوں تیرے در پہ بڑے اہتمام سے ______________ 136

۶۶۔ کچھ تو جنوں تھا ہوا کے سر میں زیادہ ______________ 137

۶۷۔ ڈھنگ کا کوئی کام کر بھی کبھی __________________ 138

۶۸۔ یہ دشتِ مسافت کہ ہے رفتار سے روشن ____________139

۶۹۔ دل میں اِس آگ کو بیدار کیا جائے گا______________140

۷۰۔ منظروں کے رنگ سے رنگِ نظر ہے مختلف ___________141

۷۱۔ زمیں پہ کرتے ہیں سجدہ طویل ہی ہم لوگ ___________142

۷۲۔ آگ لگتی ہے درختوں کو جہاں پانی سے ____________143

۷۳۔ جسم کے دشت سے معمورۂ جاں دور نہیں ___________144

۷۴۔ جسم کے دشت میں ویرانئ جاں بولتی ہے____________145

۷۵۔ اب یہ تنہائی میاں کام میں لاتی ہے مجھے ____________146

۷۶۔ کیا کرتا مرے پاس خلافت بھی نہیں تھی_____________147

۷۷۔ بجھا تو جسم سے اپنے اُٹھا دھواں سا میں ____________148

۷۸۔ لت پت ہیں خاک و خون میں اشجار یا اخی ___________149

۷۹۔ محبّت ہے تو کر لو سامنا بھی ___________________150

۸۰۔ آئی نہ شب کو نیند سحر تک در آئے خواب ____________151

۸۱۔ ظاہر وہ ہونے لگا رفتہ رفتہ ___________________152

۸۲۔ ہو کیوں نہ رنگِ عالم لاہوت پَر زدہ ________________153

۸۳۔ ایک آوارہ گرد چنگاری ____________________154

۸۴۔ خوابوں سے ہم آنکھوں میں اجالا نہیں کرتے __________155

۸۵۔ بوئے سکوت خانۂ افسردگاں سے آئے ____________156

۸۶۔ گُم سُم ہوں میں بھی مُہر بلب صوفیوں کے بیچ __________157
۸۷۔ روح تو اُس روز کانپ کانپ اٹھی تھی _______________158
۸۸۔ اپنا ہی کوئی درپئے آزار مُجھ میں ہے ______________159
۸۹۔ اک خلل اور سرا سیمہ سیہ خاک میں ڈال ___________160
۹۰۔ حشر برپا ہے پوری بستی پر ___________________161
۹۱۔ ہماری طرح حروفِ جنوں کے جال میں آ ____________162
۹۲۔ خانۂ خس میں شعلۂ غم ہے ____________________163
۹۳۔ وہ ساز چھیڑ دیا پائلوں نے رستے میں ______________164
۹۴۔ کسر باقی نہ چھوڑی آندھیوں نے _______________165
۹۵۔ پہلا سفر ہے رات ہوئی بستیوں سے دور ____________166
۹۶۔ کسی کے سر پہ جنونِ سفر سوار نہیں _______________167
۹۷۔ فضا میں بس غبارِ کارواں ہے ________________168
۹۸۔ عکس آنکھوں میں نہ تھا شعلۂ حیرانی کا _____________169
۹۹۔ رفتار اپنی تیز نہ کر اے سوار دیکھ ________________170
۱۰۰۔ عنواں جنوں ہے اس میں فقط ایک باب کا ___________171
۱۰۱۔ گلے پہ خاک تمہارے سُر اور تال پہ خاک ___________172

غـــزل ا

ایک صراحی بولی قلقل اللہ ہو
پھر کیا تھا ہر سمت مچا غل اللہ ہو

اپنے وجود میں جھانک کے میں تو ڈر ہی گیا
جز میں یقیناً رہتا ہے کل اللہ ہو

زاد-سفر سے دوہری ہوئی جاتی ہے کمر
کتنا بھاری ہے یہ توکل اللہ ہو

بچھا ہوا ہے کب سے میرا مصلا دیکھ
ریت پہ نقش-پائے دلدل اللہ ہو

دنیا ایک خرابہ ہے اور اس میں بھی
لوگ کھلائے جاتے ہیں گل اللہ ہو

غزل ۲

ہوا کے دوش پہ ہم بھی سوار ہو گئے ہیں
یہ کس طرح کا سفر ہے غبار ہو گئے ہیں

سنا ہے شہر کے موسم بھی اس زمانے میں
برائے اہلِ جنوں سازگار ہو گئے ہیں

سجا کے اپنے نہ ہونے کا درد چہرے پر
تمہارے ہونے کا ہم اشتہار ہو گئے ہیں

نجات ملتی نہیں پتھروں کی بارش سے
یہ کس درخت کے ہم برگ و بار ہو گئے ہیں

تری تلاش میں پھیلے زمین میں اتنے
اک آب جو تھے ہم اب بے کنار ہو گئے ہیں

غزل ۲

سبزہ تو دیکھ موسمِ گل میں بھی زرد ہے
آہستہ چل زمین کی چھاتی میں درد ہے

لرزاں ہیں اسکی گونج سے اطرافِ آفتاب
میرا سکوت نغمۂ صحرائے سرد ہے

اٹھی ہے تو محال ہے اب اسکا بیٹھنا
دو قافلوں کے بیچ میں حائل جو گرد ہے

وہ چاند وہ ستارے یہ صحرا یہ کوہسار
یہ تیری شش جہت تو ابھی فرد فرد ہے

چھایا ہے کون مثلِ خزاں باغِ جسم پر
یہ کون دشتِ روح میں آوارہ گرد ہے

غزل ۴

جوئے کم آب سے اک تیز سا جھرنا ہوا میں
تیری جانب ہوں رواں شور مچاتا ہوا میں

مجھ سے خالی نہیں اب ایک بھی ذرہ ہے یہاں
دیکھ یہ تنگ زمیں اور یہ پھیلا ہوا میں

دیکھ کر وسعت-صحرائے تپاں لرزاں ہوں
ساحل-دیدہء نمناک پہ ٹھہرا ہوا میں

پا بہ زنجیر ادھر تیز ہوا اور ادھر
خاک کے تخت پہ سلطان سا بیٹھا ہوا میں

کوئی خورشید سا دنیا پہ چمکتا ہوا تو
کسی دیوار سے سایہ سا نکلتا ہوا میں

غزل ۵

تمام شہر تھا جنگل سا اینٹ پتھر کا
غضب وہ دیکھ کے آیا ہوں بادِ صرصر کا

صدائیں چشمے ابلنے کی آ رہی ہیں مجھے
کسی نے توڑ دیا کیا سکوت پتھر کا

سنائی دیتی نہیں ہے اب اپنی آہٹ بھی
رواں ہوا ہے ہر اک سمت شور اندر کا

ہوائے لمس میں اک آگ بھی تھی پوشیدہ
کہ تابناک ہوا جسم سنگ مرمر کا

زہے نصیب محمد کا نام لیوا ہوں
ہے لاکھ شکر خدائے بزرگ و برتر کا

غــزل ٦

چند حرفوں نے بہت شور مچا رکھا ہے
یعنی کاغذ پہ کوئی حشر اٹھا رکھا ہے

آپ کے پاؤں تلے سے بھی کھسکتی ہے زمیں
آپ نے کیوں یہ فلک سر پہ اٹھا رکھا ہے

مصحف ذات کی تفسیر ہے یہ گہری چپ
چپ ہی معنی ہے میاں حرف میں کیا رکھا ہے

مجھ کو تو اپنے سوا کچھ نظر آتا ہی نہیں
میں نے دیواروں کو آئینہ بنا رکھا ہے

میرا ہر کام قیامت ہی اٹھا دیتا ہے
تونے ہر کام قیامت پہ اُٹھا رکھا ہے

غـــزل:۷

ہم تو بس اک عقدہ تھے حل ہونے تک
زنجیروں میں بند تھے پاگل ہونے تک

عشق اگر ہے دین تو پھر ہو جائیں گے
ہم بھی مرتد اس کے مکمل ہونے تک

مجھ میں بھی تھی تیز سی خوشبو معنی کی
مہک رہا تھا میں بھی مہمل ہونے تک

اب وہ میری آنکھ پہ ایماں لایا ہے
دشت ہی تھا یہ دل بھی جل تھل ہونے تک

جھیل کبھی تالاب کبھی دریا تھا کبھی
میرے کیا کیا روپ تھے دلدل ہونے تک

غزل ۸

ہوا میں جو یہ ایک نمناکی ہے
صدا تیز رفتار دریا کی ہے

قدم روک مت پیچھے مڑ کے نہ دیکھ
یہ آواز کم بخت دنیا کی ہے

پڑا رہ بدن کے دریچے نہ کھول
مری انگلیوں میں ہوس ناکی ہے

شجر سے لپٹ کر نہ روئے گی یہ
ہوا جو چلی ہے وہ صحرا کی ہے

مرے شیشۂ لا زماں پر ابھی
بہت گرد امروز و فردا کی ہے

غزل ۹

کس نے کہا تم سے کہ وسیلہ ہی نہیں تھا
کشتی تو مرے پاس تھی دریا ہی نہیں تھا

میں رنگِ جنوں بھرتا سفر نامہ میں کیسے
صحرا کہیں رستے میں تو پڑتا ہی نہیں تھا

سبزہ نہ کہیں سقف و در و بام پہ اُگ آئے
اس ڈر سے کبھی گھر سے میں نکلا ہی نہیں تھا

سمجھے ہی گئے تھے نہ کھلے ہی تھے کسی پر
شعروں نے کوئی شور اٹھایا ہی نہیں تھا

پیچھے سے اگر دیتا صدا کوئی تو رُکتا
میرا تو کہیں اور ٹھکانہ ہی نہیں تھا

غزل ۱۰

اک اُجالا تھا مِرے حجرے کے اندر ایسا
کیا کہوں اشک کا ہر قطرہ تھا گوہر ایسا

ڈر تھا بازار پہ افشا نہ کہیں ہوجاؤں
ایک سکّہ تھا مِری جیب کے اندر ایسا

بارشِ سنگ ہوئی ہی نہ کبھی ہو جس پر
ہم نے دیکھا نہ شجر کوئی ثمر ور ایسا

پھر کسی شاخ پہ پایا نہ گیا پھل ایسا
پھر کسی نیزے پہ دیکھا نہ گیا سر ایسا

نہ کبھی دیکھا تھا دربان نے ہم جیسا فقیر
اور نہ دیکھا تھا کہیں ہم نے کبھی در ایسا

غــزل ۱۱

کب سے ہوا کے سامنے ہے یہ ڈٹا ہوا
کس مٹی کا چراغ ہے میرا بنا ہوا

جانے کہاں سے جوئے معانی ہوئی رواں
اک آن میں حروف کا جنگل ہرا ہُوا

ہوگی زمیں پہ اُس کی کہیں بارگہہ ضرور
یونہی یہ آسمان نہیں ہے جُھکا ہوا

گُزرے ہیں اس مقام سے شاید کچھ اہلِ غم
ہر گام پر ہے راہ میں سبزہ اگا ہوا

مُجھ تک نہیں مجھے بھی رسائی رفیق راز
اک گنج ہوں میں اپنے بدن میں گڑا ہُوا

غـــزل ۱۲

مجھ پر خاموشی کا دین مکمل ہونے والا ہے
یعنی اب ہر لفظ زباں کا مہمل ہونے والا ہے

جس میں دُھواں ہے اور نہ شُعلہ اور نہ کوئی حرارت ہے
ایک ایسی ہی آگ سے روشن جنگل ہونے والا ہے

آب کی نعمت سے محروم یہ دھرتی کر دی جائے گی
جتنا پانی دھرتی پر ہے بادل ہونے والا ہے

اس کے بیاباں بننے میں کچھ اور مراحل باقی ہیں
دریا پہلے شہر تھا اب یہ دلدل ہونے والا ہے

عقل و دانش کے صحرا پر ایک ہی حالت طاری ہے
دل اور آنکھوں کی محنت سے جل تھل ہونے والا ہے

غزل ۱۳

مجھ کو لگا گلاب سا کوئی کھلا ہوا
اک نقشِ پا جو اب تھا قریباً مٹا ہوا

کس خیمۂ سکوت میں ہم ہیں پنہہ گزیں
سانسوں کا اک حشر ہے اس میں اٹھا ہوا

آتی ہے موجِ صرصرِ وحشت کہاں سے روز
گھر سے مرے ہے کیا کوئی صحرا لگا ہوا

مجھ پر ہی آ گرے نہ کسی دن یہ خوف ہے
اک بے طناب خیمہ ہے سر پر تنا ہوا

اس میں بھی روشنی کے سمندر تھے موجزن
وہ جو دھواں تھا میرے دیے سے اٹھا ہوا

غــزل ۱۴

لایا تھا مجھے منظرِ مہتاب تہہِ آب
دیکھا تو ملا کچھ نہیں جُز آب تہہِ آب

ساحل سے جو دیکھوں تو ہے بے انت سمندر
سوچوں تو بس اک دشت ہے سیراب تہہ آب

روشن ہیں ابھی خواب ترے دیدۂ تر میں
محفوظ ہیں کچھ لعل نظر تاب تہہِ آب

کرتا ہے خلا خوف کا اظہار سمٹ کر
پر تول رہا ہے کوئی سرخاب تہہِ آب

پانی میں سفینہ ہے سفینے میں ہے پانی
ہے آب فقط آب سرِ آب تہہِ آب

غزل ۱۵

ایک ہی شعلہ تھا اقلیمِ ہوا میں روشن
وہ جو اک جسم تھا فانوس-قبا میں روشن

استعارہ ہے کوئی ذہن-رسا میں روشن
جیسے خیمہ ہو کوئی دشتِ بلا میں روشن

زینت-طاق ہے اب ایک سیہ پوش چراغ
اب کہاں خواب ترے خواب سرا میں روشن

ہیں معلق تہہ افلاک دعائیں کتنی
ہیں ستارے ابھی کتنے ہی خلا میں روشن

اصل سرچشمہ معانی کا یہی تو ہے میاں
یہ جو سناٹا سا کوئی ہے صدا میں روشن

غزل ۱۶

دریا دریا رواں دواں ہے میری سوچ
کسی کے روکے رکتی کہاں ہے میری سوچ

لفظوں میں ہر سوچ بہت بوسیدہ لگے
میری چپ میں ابھی جواں ہے میری سوچ

تو تو اپنی ذات میں گم ہے اپنی چھوڑ
مجھ میں اک محشر کا سماں ہے میری سوچ

حرف و صدا پر آن پڑا ہے کیسا وقت
میری سوچ پہ نوحہ کناں ہے میری سوچ

فصلِ گل خاموشی کٹنے والی ہے
اٹھتی ہوئی سی موج سناں ہے میری سوچ

غزل ۱۷

سادہ کاغذ پہ کیا چمکتا ہوں
نوک سے کس قلم کی ٹپکا ہوں

تیز رفتار کوئی دریا ہوں
اور تصور میں اپنے بہتا ہوں

میں جہاں پر دکھایی دیتا نہیں
میں وہاں پر سنایی دیتا ہوں

اپنے پیچھے غبار چھوڑا ہے
دشت سے اس طرح میں گزرا ہوں

آیینہ دیکھتا ہوں جب بھی کبھی
میں کوئی دوسرا ہی لگتا ہوں

غزل ۱۸

میں سمندر نہیں ہوں صحرا ہوں
پیاس مسلک مرا ہے پیاسا ہوں

کل ملا کر تو میں برابر ہوں
ہاں کہیں کم کہیں زیادہ ہوں

میں ابھی ہوں ہرا بھرا تازہ
یعنی حسرت نہیں تمنا ہوں

بوجھ شانوں پہ ہے توکل کا
قافلے میں ہوں پا پیادہ ہوں

ہم نشیں ہے یہ میری تنہایی
کون کہتا ہے میں اکیلا ہوں

غزل ۱۹

جو ابھی پردہء افلاک میں ہے
سب مرے قبضہء ادراک میں ہے

روبرو میرے یہ سفاک ہوا
با ادب بار گہہِ خاک میں ہے

فتنہء دشتِ ختن تھا وہ غزال
خیر اب تو مرے فتراک میں ہے

لفظ عاری ہی سہی معنی سے
کاٹ تو لہجہء بیباک میں ہے

کیا کروں تیرے بدن کی تعریف
شعلہ اک کاغذی پوشاک میں ہے

غزل ۲۰

یارب وسیع خانۂ زنجیر سے نکال
آدم ہوں مجھ کو جنّت کشمیر سے نکال

ہاں خواب ہوں میں اور وطن آنکھ ہے مرا
آ مجھ کو زندہ مقتل تعبیر سے نکال

کچھ زیبِ شعر کے لئے زنبیل عصر سے
کچھ ہیرے موتی کانِ اساطیر سے نکال

اس نے لہو پیا ہے زمانے کا سحر گر
جادو سے اب وہ سب رگِ شمشیر سے نکال

معنی رفیق راز تو اس میں کثیر ہیں
اپنی پسند کے مری تحریر سے نکال

غزل ۲۱

فقط بفضل بدیع العجائبات رفیقا
ٹپک رہے ہیں قلم سے نوادرات رفیقا

وجود کی یہ کُھدائی رہے ہمیشہ ہی جاری
دبے ہوئے ہیں اسی میں جواہرات رفیقا

ہُوا نہیں وہ برہنہ اتار پھینک کے پوشاک
تھا زیبِ تن کئے مجذوب کائنات رفیقا

خموش کیوں ہے زباں کھول کچھ پتہ بھی چلے تو
تُو کس قبیلے سے ہے کیا ہے تیری ذات رفیقا

تمام رنگ مرے لے اڑیں ہیں کب وہ نگاہیں
ہُوا تھا کب یہ نزولِ تجلّیات رفیقا

غــزل ۲۲

چٹان پر ہی ازل سے لکھا رکھا تھا میں
کہ حبسِ حرف میں موجود بے صدا تھا میں

ترے قدم ہی زمیں پر نہیں پڑے ورنہ
ہر ایک سمت زمیں پر بچھا ہوا تھا میں

وہ تیری کُن کی صدا گونجنے سے پہلے ہی
محیطِ دشت و جبل پر سکوت سا تھا میں

خبر نہیں تھی کہ اتنا میں پھیل جاؤں گا
چراغِ زخم سے اک دود سا اٹھا تھا میں

یہ خود سے بر سرِ پیکار میں ہی تھا مجھ میں
کہ میرے خول ہی میں کوئی دوسرا تھا میں

غــزل ۲۳

کن پستیوں سے ، پست، اٹھا اور ہوا بلند
کتنی بلندیوں سے نہ پوچھو گرا، بلند

دریا دونیم وقت کا ہوجائے آن میں
کردوں اگر میں ہاتھ سے اپنا عصا بلند

میدانِ جنگ ہے یہ ورق،حرف ہیں سپاہ
خامہ ہے اس میں صورتِ نیزہ مرا بلند

گرد و غبار و نالہ و و فریاد اور دُھواں
کیا کیا نہ پوچھ اور بھی ہم سے ہوا بلند

اُس کو پکارتے تھےکنویں میں گرا تھا جو
اور اتّفاق سے اُسی کا نام تھا بلند

غزل ۲۴

روئے زمین تو لان ہے میرا
اور فلک دالان ہے میرا

کس نے کہا ہے فریبِ نظر ہے
عالم سارا دھیان ہے میرا

اور تو کوئی ہنر نہیں ہے
حرف ہی بس میدان ہے میرا

تم کو نہیں معلوم یہ عالم
دیباچۂ دیوان ہے میرا

دیکھ کے میرے حروف کے لشکر
خامہ تک حیران ہے میرا

غزل ۲۵

ہے مِری آنکھ کی یہی تفسیر
اک سیہ پوش شُعلۂ شب گیر

اے قلم تو ہے میرے ہاتھوں میں
تیرے ہاتھوں میں حرف کی تقدیر

تو نے دیکھی چٹان کی صورت
میں نے سُن لی چٹان کی تقریر

آنکھ جب کھلتی ہے جہاں کی طرف
کُچھ نہ کچھ ہوتا ہے وقوع پذیر

جب بھی آنکھوں کو میں نے موند لیا
تُو ہُوا سامنے ظہور پزیر

غزل ۲۶

تو جو بچھڑا تو ہر سو اندھیرا ہُوا
تُجھ سے روشن مگر حافظہ ہے مرا

خواب ہو تم تو آنے میں کیسی حیا
آنکھ کا یہ دریچۂ ہے اب بھی کُھلا

آسماں اس کا حامی ہے اس سے ڈرو
اس قلندر کو ہے خاک سے رابطہ

مانگتی ہے قبا حرف کی مجھ سے روز
روح جیسی بھٹکتی ہوئی اک صدا

رات تھی چار سو اور عقب میں ہوا
دو محاذوں پہ لڑتا رہا یہ دیا

غزل ۲۷

اذنِ سفر ملا نہ مسافر کو دیر تک
مایوس ہو کے رات گئے سوگئی سڑک

آیا بہم نہ صفحۂ افلاک ہی مجھے
ظاہر ہوئی نہ میرے خیالات کی دھنک

کیا غم اگرچہ پاؤں کے نیچے زمیں نہیں
سر پر تنا ہُوا تو ہے امید کا فلک

ہے کس فقیر کی یہ خموشی شباب پر
جنگل میں ہر طرف ہے پُر اسرار سی چمک

میں ہی فقط سکوت کے نشّے میں چور تھا
ڈوبا ہوا تھا شور میں پورا ہی شہرِ شک

غــزل ۲۸

یاقوت ہے عقیق و زبرجد ہے وہ بدن
یکتائے روزگار ہے مفرد ہے وہ بدن

تبدیل ہوگیا ہے وہ شعلے میں لمس سے
اب پیچ و تاب کھا رہا بے حد ہے وہ بدن

اک اور ہی پلنگ پہ ایمان لایا ہے
اپنا پلنگ چھوڑ کے مرتد ہے وہ بدن

مت پوچھ اس میں کتنے ہی بُت ہیں سجے ہوئے
تم کو یقین ہی نہیں معبد ہے وہ بدن

بیٹھا جو اس کے سائے میں وہ راکھ ہوگیا
نے برگزیدہ کوئی نہ برگد ہے وہ بدن

غزل ۲۹

کی تو بدن کی خوب کھدائی تمام رات
دولت نہ ہاتھ روح کی آئی تمام رات

ہر اک ورق کتابِ برہنہ کا پڑھ لیا
تعلیمِ عشق و لطف کی پائی تمام رات

معنی بہ قیدِ حرفِ ادق ہوں، اسیر ہوں
مانگا کِیا دُعائے رہائی تمام رات

خوابوں میں گاؤں گاؤں گیا میں کہ اک مہم
تیرے خلاف خوب چلائی تمام رات

روشن میں اِک دیا تھا مگر بے جواز تھا
یہ رات میرے کام ہی آئی تمام رات

غزل ۳۰

ایک پیکر کا استعارے تک
سانپ کا سا سفر پٹارے تک

میں نے آنکھیں بچھائی ہیں اپنی
شوق کے دوسرے کنارے تک

اونچے ایواں میں بیٹھے لوگ کبھی
سُن نہ پائے ہمارے نعرے تک

فیصلہ ہم سے ہو نہیں پاتا
کئے حالانکہ استخارے تک

ہے مِری سرگذشت کا عنوان
ایک ذرّے سے اک ستارے تک

غزل ۳۱

یہ جھوٹ ہے وہ مٹی تلے مقبرے میں ہے
مثلِ شہید زندہ مرے حافظے میں ہے

اس بے مثال کا تو اگر عکس ہی نہیں
تو کیا وہ مثلِ عکس خود اس آئینے میں ہے

آنکھوں کا کُچھ قصور نہیں فرق ہی بہت
منظر میں اور دیکھنے کے زاویئے میں ہے

جس نے پڑھا ہے خامشی کی درس گاہ میں
مُلکِ سخن میں ایک وہی فائدے میں ہے

کر دے زمین بوس یہ بے بام و در مکان
یہ تاب یہ مجال کہاں زلزلے میں ہے

غزل ۳۲

موتیوں کے کھیت میں پکڑا گیا چرتے ہوئے
یعنی سرقہ میر کے دیوان سے کرتے ہوئے

خواب میں کرتا کسی کا قتل ہوں روزانہ میں
کھولتا ہوں روز آنکھیں صبح کو ڈرتے ہوئے

اس نے پوچھا آدمی کو کب حسین لگتی ہے زیست
میں نے بھی سوچے بنا ہی کہہ دیا، مرتے ہوئے

کام رہ جاتے ادھورے ہیں مرے تیرے سبب
سوچ میں پڑتا ہوں کوئی کام بھی کرتے ہوئے

ہیں کئی دلدل یہاں پر چاہ بھی ہیں زیرِ کاہ
اے زمیں ڈرتا ہوں تُجھ پر پاؤں بھی دھرتے ہوئے

غزل ۳۳

کن سے پیدا ہوا تھا پہلا شور
آخری ہوگا حشر والا شور

اس مین خوشبوئے غار ہے شامل
یہ مرا ہے سکوت افزا شور

شور میں بستیاں ہی ڈوب گئیں
شور انگیز تھا ہمارا شور

سازو سنطور و چنگ و عود و رباب
ان کے اندر ہے مجلس آرا شور

گھر میں یہ دو نہ ہوں تو ہے وہ مکاں
تھوڑی خاموشی اور تھوڑا شور

غزل ۳۴

ہم نہ بہاتے خون اگر میدانوں میں
سوکھ ہی جاتا خوف سے یہ شریانوں میں

میں بھی ایک صدا ہوں اسی زمانے کی
گونج رہا ہوں لیکن ریگستانوں میں

حصّہ ملے وحشت کے مطابق سب کو یہاں
صحرا ہو تقسیم نئے دیوانوں میں

خون سے کس کے ہاتھ رنگے ہے کیا معلوم
سب نے ہاتھ چھپائے ہیں دستانوں میں

ہم تو اپنی پیاس بجھانے آئے تھے
آگ انڈیلی ساقی نے پیمانوں میں

غزل ۳۵

زبانِ خلق خدا بند تھی عدالت میں
خموشی بول رہی تھی مری حمایت میں

دبوچ لی گئی سر حد عبور کرتے ہوئے
لیا گیا ہے صبا کو بھی اب حراست میں

میں نابلد نہیں آدابِ وصل سے لیکن
بگڑ گیا ہوں میں تنہائیوں کی صحبت میں

ہوائے تیز پہ طاری جمود ہوگیا ہے
گئی ہے کام سے یہ خاک کی محبت میں

شکستِ فاش کے اسباب تو کچھ اور بھی تھے
منافقین بھی شامل تھے کچھ جماعت میں

غزل ۳۶

ہاں وہ درویش ہے پر کتنا ہے
خرقۂ خیر میں شر کتنا ہے

قلّتِ آب سے بے حال ہیں لوگ
تُجھ میں اے دیدۂ تر کتنا ہے

اتنی لمبی بھی جدائی تو نہ تھی
یہ دوپٹہ ترا تر کتنا ہے

خالی پن اس میں کھنکتا ہے بہت
میرے کشکول میں زر کتنا ہے

میں تو منظر ہوں مرے رنگ اڑے
اور تجھ آنکھ میں ڈر کتنا ہے

غزل ۳۷

مرا ہے قبلہ و کعبہ ترا یہ دروازہ
مری طلب سے کہیں ہے بڑا یہ دروازہ

کسی زمانے میں کہتے ہیں یہ دریچہ تھا
خبر کسی کو نہیں کب بنا یہ دروازہ

ہے شہرِ علم میں جانے کا اک وسیلہ یہی
کھُلا ہی مُجھ پہ نہیں علم کا یہ دروازہ

مرے یہ ہاتھوں کو پہچانتا ہے اچھی طرح
مِری ہے دستکوں سے آشنا یہ دروازہ

کبھی بنے نہ یہ دیوار ہے دعا یہ مری
رہے ہمیشہ ہی مُجھ پر کھُلا یہ دروازہ

غزل ۳۸

پورے کا پورا مِرے آدھے میں ہو
یعنی ہر حصہ مرے حصے میں ہو

وہ خودآئینے میں ہو، مامون ہو
عکس باہر ہو مگر خطرے میں ہو

وہ اگر سچ مُچ ہے کوئی اشرفی
تو مرے مولا مرے کاسے میں ہو

دشت تو ہے ہی مری مُٹّھی میں، اب
اک سمندر بھی مِرے کوزے میں ہو

کچھ تو ہو برداشت سُننے والے میں
کچھ تو ہمت بولنے والے میں ہو

غزل ۳۹

روشنی سے نکل کے آئے ہیں
ہم ہیولے نہیں ہیں سائے ہیں

جن پہ تالے لگے تھے باہر سے
ہم نے وہ در بھی کھٹکھٹائے ہیں

عالم غیب کے مناظر پر
چشمِ بینا نے ظلم ڈھائے ہیں

جن پہ کوئی بھی چل نہ پائے گا
ہم نے وہ راستے بنائے ہیں

آئے تو تھے وجود میں کب کے
منظرِ عام پر اب آئے ہیں

غـــزل ۴۰

زمیں پہ بوجھ ہیں یہ بے ثمر خمیدہ شجر
ہیں انتظار میں آرے کے سن رسیدہ شجر

بہار آتے ہی تکتا ہے یہ خزاں کی راہ
ہے برگ و بار سے ڈرتا ثمر گزیدہ شجر

رگوں میں دوڑتی پھرتی ہے ان کی آگ میاں
ہرے بھرے نظر آتے ہیں یہ تپیدہ شجر

غزال تک ترے صحرا کے پُرسکوں ہیں مگر
ہمارے شہر میں ہیں خوف سے رمیدہ شجر

بہار رہا ہوں پسینہ چلا رہا ہوں قلم
لگا رہا ہوں ورق پر میں چیدہ چیدہ شجر

غــزل ۴۱

تھا تخت اُس کی مُٹھی میں وہ کُتّی چیز تھی
سولہ کی ہوگئی وہ محل کی کنیز تھی

چہرے کو چومتی کبھی زلفوں سے کھیلتی
اس شہر کی صبا تو بہت بد تمیز تھی

ہم سِن رسیدہ کیا ہوئے دنیا سمٹ گئی
جب ہم جواں تھے تب یہ وسیع و عریض تھی

کُچھ کم نہیں تھی روشنی اک تہہ سی گرد کی
عینک پہ جم گئی تھی جو بے حد دبیز تھی

پیچیدہ شاعری وہ تمہاری رفیق راز
مقبول ہی تھی اور نہ ہر دل عزیز تھی

غزل ۴۲

ہاتھوں میں تھی کماں نہ میسّر خدنگ تھا
دشمن بھی مجھ کو دیکھ کے مقتل میں دنگ تھا

مرجاتا گُھٹ کے میں جو اُسے تیاگتا نہیں
مجھ پر تِرا جہان زیادہ ہی تنگ تھا

ایسا نہیں کہ منظروں میں دل کشی نہ تھی
بینائی سے میں اپنی ہی مصروفِ جنگ تھا

پیشِ نظر تھے یوں تو چمن کے ہزار رنگ
آنکھوں سے ہمکلام فقط ایک رنگ تھا

غزل ۴۳

غضب کی کاٹ تھی اب کے ہوا کے طعنوں میں
شگاف پڑ گئے ہیں بے زباں چٹانوں میں

سکوت کو نہ کبھی کر صدا سے آلودہ
کہ یہ زباں ہے مقدس تریں زبانوں میں

ٹپک پڑا ہوں بالآخر میں اپنی آنکھوں سے
چھپا رکھا تھا مجھے تم نے کن خزانوں میں

سیاہ شہر کی قسمت میں میرا فیض کہاں
چراغِ نذر ہوں جلتا ہوں آستانوں میں

ہمارے ہونٹ ہی پتھر کے ہیں وگرنہ میاں
ہم ایک آگ لئے پھرتے ہیں دہانوں میں

غزل ۴۴

کون کہتا ہے میں اکیلا تھا
رات تھی، میں تھا اور وہ رستہ تھا

رفتگاں کے نقوشِ پا کے سوا
صفحۂ دشت پر رقم کیا تھا

پیچھے گرد و غبار تھا میرے
آگے دیوارِ تن کا سایا تھا

نقش روشن سا تھا، نہیں کُھلتا
حرف تھا یا سکوت تھا کیا تھا

اک سمندر تھا منتظر میرا
سست رفتاری سے میں بہتا تھا

غزل ۴۵

اٹھا کر ہاتھ اُس نے جب دعا کی
چمک اٹھی تھی آتش بھی حنا کی

ملیں گے خاک میں جو خاک پر ہیں
بقا ہے آخری منزل فنا کی

فلک سے آئے تھے ہم ہی زمیں پر
ہمیں نے انتہا سے ابتدا کی

میں ناموجودگی میں اب ہوں موجود
کہ میں خود آگیا ہوں زد میں لا کی

وضو مقتل میں کرکے اپنے خوں سے
نمازِ عشق جنّت میں ادا کی

غــزل ۴۶

جاؤں تو جاؤں کہاں خطۂ بارانی میں
میرے حصے کی زمیں گُم ہے کہیں پانی میں

تو کہ جس شب مِری آنکھوں پہ ہُوا تھا روشن
دن گذرتے ہیں اب اس شب کی ثنا خوانی میں

جب سے بینائی میں شامل ہوا ہے فقر کا رنگ
ایک رونق سی نظر آتی ہے ویرانی میں

کس کے توشہ میں نہیں یادِ وطن ہوتی ہے
کون کرتا ہے سفر بے سرو و سامانی میں

کاش خاموشی میں کچھ شور بھی ہوتا شامل
کاش دُشواری بھی ہوتی کوئی آسانی میں

غزل ۴۷

رنگ کوئی ایک منظروں میں نیا تھا
اب کے برس زہر موسموں میں نیا تھا

منزلِ مقصود کی بھی فکر نہیں تھی
ذوقِ سفر سارے قافلوں میں نیا تھا

نور کے سائے میں راکھ ہوگئی ہر شے
بس یہی انداز بجلیوں میں نیا تھا

وسعتِ صحرا میں مثل گرد ہوئے گُم
سر کا یہ سودا ہی سر پھروں میں نیا تھا

اب بھی گرجنے کی طرز تھی تو پرانی
شوق برسنے کا بادلوں میں نیا تھا

غزل ۴۸

یہ جو دیارِ توکّل میں اب رُکا ہوا ہے
مجھے یقین ہے یہ قافلہ لُٹا ہوا ہے

ندی ہے آنکھ میں دل میں خزانۂ غم ہے
مِرے خدا نے بہت کچھ مجھے دیا ہُوا ہے

فساد پھیل گیا ہر طرف مبارک ہو
جو پودا تم نے لگایا تھا وہ بڑا ہُوا ہے

اس ایک لاش کی ہوگی شناخت کیسے بھلا
اس ایک لاش کا چہرہ بہت جلا ہُوا ہے

وہ جنگ میں تنِ تنہا کہاں ہے میرے خلاف
مِرے عدو سے زمانہ بھی تو ملا ہوا ہے

غزل ۴۹

جب تک رہے گی زیرِ قدم مٹّی گاؤں کی
تب تک رہے گی بند زُباں بھی کھڑاؤں کی

اشجار کچھ سخی تھے تری رہگزر کے
دولت لٹا رہے تھے سرِ راہ چھاؤں کی

عریاں لگا نہ ہم کو کسی زاویے سے وہ
پہنے ہوئے تھا خاک وہ چاروں دشاؤں کی

سڑکیں پُرانی ہیں کہ نئی مجھ کو اس سے کیا
میرے لئے تو سب ہیں یہ زنجیریں پاؤں کی

تو کیا کسی روایتی معشوق سے ہے کم
ہے داستاں طویل تری بھی جفاؤں کی

غــزل ۵۰

خشک لب لوگ صف آرا ہوئے ہیں پانی پر
آگ برسے گی اب اس خطۂ بارانی پر

آسماں سر پہ اٹھائے ہوئے تھے سنّاٹے
اور دریائے خموشی بھی تھا طغیانی پر

میرا دامن کوئی تپتا ہوا صحرا نکلا
ناز بے کار تھا اشکوں کی فراوانی پر

شوق کی شمع جلائی ہی نہیں اس ڈر سے
حرف آئے نہ کہیں رات کی سلطانی پر

پیاس میری بھی بجھاتے ہیں پہاڑی جھرنے
ورنہ مامور ہیں یہ تیری ثناخوانی پر

غزل ۵۱

زیرِ قدم نواحِ زمینِ وطن تو آئے
رم بھی کروں گا پہلے وہ دشتِ ختن تو آئے

تجھ کو تری ہی آگ سے روشن کروں گا میں
دستِ کمال میں مرے تیرا بدن تو آئے

آئے نہ آئے منزلِ مقصود، کم سے کم
رستے میں سر پہ سایۂ سروسمن تو آئے

دُھنتا رہوں گا سر بھی قفس میں مثالِ شمع
لیکن کہیں سے موجِ ہوائے چمن تو آئے

کر لینے دو عبور یہ صحرا سکوت کا
کھولوں گا میں زبان بھی شہرِ سخن تو آئے

غزل ۵۲

آیا ہوں لوٹ کے میں ابھی دشتِ خواب سے
ڈرنے لگے ہیں لوگ مری آب و تاب سے

قصرِ وجود کے تو کئی اور در بھی تھے
لیکن نکل گیا میں خموشی کے باب سے

دنیا کی ان مثالوں میں رکھا ہے کیا جناب
اک دو حوالے دیجئے دل کی کتاب سے

ڈھل جاؤں گا میں آخرِ شب نور میں کبھی
ہوجائے گا ظہور مرا آب و تاب سے

یارب اس آب گھر کو حفاظت سے رکھ سدا
تازہ ہے باغِ دل اسی چشمِ پُر آب سے

غزل ۵۳

ہم نے مدحت خوانئ آہوئے تاتاری بھی کی ہے
اُس کو گھر فتراک میں لانے کی تیّاری بھی کی ہے

پھول پر شبنم ہے یعنی موسمِ غم آچکا ہے
رات بھر پھولوں نے شاید گریہ و زاری بھی کی ہے

گاہے گاہے چہرے پر چہرہ چڑھانا پڑ گیا ہے
اور ضرورت پڑنے پر تھوڑی ادا کاری بھی کی ہے

معجزہ ایسا کبھی تخلیقی لمحوں میں کیا ہے
ہونے کی حالت نہ ہونے پر کبھی طاری بھی کی ہے

صرف محشر ہی نہیں اوراق پر برپا کیا ہے
نہر خاموشی زبان خامہ سے جاری بھی کی ہے

غزل ۵۴

اگر چٹان کی یہ چپ کلام ہے سائیں
تو پھر ہماری سماعت ہی خام ہے سائیں

بجا، کہ شہر میں ارزاں بہت ہیں خواب مگر
یہاں تو نیند ہی ہم پر حرام ہے سائیں

سنا ہے وقت کی منزل ہے حشر کا میدان
اسی لئے تو بہت تیز گام ہے سائیں

اِدھر یہ تپتی ہوئی ریت ہی غنیمت ہے
اِدھر وہ سبزۂ نورستہ دام ہے سائیں

تہی ہے زر سے مگر ہے خمار سے لبریز
فقیر کا یہی کشکول جام ہے سائیں

غــزل ۵۵

کل رات جلوہ گہہ میں قیامت کی دھند تھی
دیکھا تو میری اپنی بصارت کی دھند تھی

روشن نہ ہوسکا میں کسی روشنی سے بھی
مجھ میں نجانے کیسی عقیدت کی دھند تھی

کچھ میرا بھی کلام تھا الجھا ہوا بہت
کچھ اس کے ذہن میں بھی روایت کی دھند تھی

میرا چراغ شہرِ سخن میں چمکتا کیا
گہری یہاں بہت ہی سیاست کی دھند تھی

تصویر تھی کہ خواب کے رنگوں کا انتشار
تعبیر تھی کہ اہلِ بصیرت کی دھند تھی

غزل ۵۶

وہ قیامت کا ہے فتنہ اور نہ ہی آفت وغیرہ
ٹھیک ہے بس ناک نقشہ اور قد و قامت وغیرہ

آنکھ میں دیدار سے پہلے جو آتی ہے چمک سی
لوگ کہتے ہیں اسی کو شعر میں حیرت وغیرہ

خانۂ بے بام و در کی شان ہی کچھ مختلف ہے
مثل ویرانی برستی ہے یہاں رحمت وغیرہ

ہم جنوں والوں کا ہر دم چاک رہتا ہے گریباں
زیب دیتا ہے خرد مندوں ہی کو خلعت وغیرہ

یہ غزل بحرِ رمل سالم ہی میں ہے راز صاحب
جی نہیں مجھ کو نہیں آئی کوئی دقّت وغیرہ

غـــزل ۵۷

جلتا ہوا جو چھوڑ گیا طاق پر مجھے
دیکھا نہ اُس نے لوٹ کے پچھلے پہر مجھے

میں گونجتا تھا حرف میں ڈھلنے سے پیشتر
گھیرا ہے اب سکوت نے اوراق پر مجھے

مجھ میں تڑپ رہا ہے کوئی چشمۂ سکوت
ضربِ عصا سے دیکھ کبھی توڑ کر مجھے

جو لا سکے نہ تاب ہی میرے جنون کی
اس دشتِ کم سواد میں داخل نہ کر مجھے

شاید ہٹا ہے غیب کا پردہ رفیق راز
آتا ہے نخل آب پہ شُعلہ نظر مجھے

غزل ۵۸

یہ پل سکوت کے آواز میں ہے ڈھلنے کا
نظارہ کر تو سہی سنگ کے پگھلنے کا

تم اک صدا ھو تو کیا، دشت-حرف ہے یہ میاں
یہاں سے راستہ کوئی نہیں نکلنے کا

تو کیا زمیں کو فلک سے کوئی مفر ہی نہیں
تو کیا یہ قہر سروں سے نہیں ہے ٹلنے کا

جلے گا اور اٹھے گا دھواں نہ شعلہ کوئی
عجیب ھوتا ہے منظر بدن کے جلنے کا

جہاں کے دشت میں بس ایڑیاں رگڑتے رہو
اور انتظار کرو پانی کے اچھلنے کا

غزل ۵۹

ہاں میں دریا ہوں رائگانی کا
شور تو سن میری روانی کا

تو بھی اب ٹوٹ اے فلک مجھ پر
شکریہ تیری سائبانی کا

لوگ جس کو سراب کہتے ہیں
اک تصوّر ہے بہتے پانی کا

یہ جو آنسو ابھی ابھی ٹپکا
استعارہ ہے شادمانی کا

یار ساحل سے کیسے کرتے ہو
تم یہ اندازہ بے کرانی کا

غزل ۶۰

ہاں کسی شعلۂ دعا کا تھا
وہ دھواں حرفِ نارسا کا تھا

اثر آسیب کا نہ تھا کوئی
مجھ پہ قبضہ مری انا کا تھا

حشر آواز سے اٹھاتا کیا
شور چُپ کا ہی تو بلا کا تھا

ہوگیا آر پار تھا دل کے
پوچھ مت تیر کس صدا کا تھا

کیسا جادو بیاں فقیر تھا وہ
اسکی چُپ میں اثر نوا کا تھا

غزل ۶۱

مجھ سے اے روشنی نہ پردا کر
آنکھ والا ہوں مجھ کو اندھا کر

ایک آواز پھڑپھڑاتی ہے
اک سماعت کے دام میں آ کر

یہ ضروری نہیں جواب ملے
پر تو اپنے سوال پوچھا کر

آسماں ہی کو کردیا اوجھل
اک ہما نے پروں کو پھیلا کر

رنگ دنیا کے اور بھی ہیں کچھ
کبھی کھڑکی سے میری دیکھا کر

غــزل ۶۲

رسّی تو ہے دراز مِرے اعتبار کی
صدیوں پہ ہے محیط گھڑی انتظار کی

آتی نہیں تو نیند ہی آتی نہیں ہے بس
آتی ہیں خوشبوئیں تو بہت خواب زار کی

گر کر بلندیوں سے سنبھلتا ہے آپ ہی
مجھ کو پسند ہے یہ ادا آبشار کی

ہر چاپ سُن کے ساز دھڑکنے کا چھیڑ دے
دل نے تو وہ روش ہی نہیں اختیار کی

اوجھل ہوا ہے اپنی ہی آنکھوں سے سر بسر
وسعت سے ڈر گیا ہے یہ صحرا غبار کی

غــزل ۶۳

اک فلک اور ہی سر پرتو بناسکتے ہیں
کرۂ ارض کو بہتر تو بنا سکتے ہیں

ہم اگر اہل نہیں پیڑ کے پھل کھانے کے
شاخِ سرسبز کو خنجر تو بنا سکتے ہیں

سچ ہے ہم گریہ کناں کچھ بھی نہیں کر سکتے
ریگزاروں کو سمندر تو بناسکتے ہیں

گرچہ پرواز کی قوت نہیں خواہش ہے بہت
ہم خیالات کو شہپر تو بنا سکتے ہیں

لالہ گوں منظرِ شاداب سرابوں میں بھی
قلزمِ خوں ہو میسر تو بنا سکتے ہیں

غــزل ۶۴

دیکھو تو کیا کمال ہوا انہدام سے
دہلیز کا وصال ہوا آج بام سے

دل نے لگا دیا ہے کسی اور کام پر
آیا تو میں یہاں تھا کسی اور کام سے

دیکھو دہل اُٹھے گا مری گونج سے یہ شہر
میں گر گیا اگر تو گروں گا دھڑام سے

مٹتے ہی جا رہے تھے مرے نقشِ پا وہاں
کرنا پڑا گریز مجھے راہِ عام سے

باطن میں خاص بات ہے ان کے رفیقِ راز
ظاہر میں ہیں اگر چہ یہ الفاظ عام سے

غــزل ٦٥

جلتا ہوں تیرے در پہ بڑے اہتمام سے
بادِ جہاں سے جنگ بھی لڑتا ہوں شام سے

کس کی طرف سفر میں رواں ہوں کہ راہ سے
ہٹ جاتے ہیں پہاڑ بڑے احترام سے

اے آفتابِ صبح ترے انتظار میں
چپکا ہوا ہوں سایہ سا دیوارِ شام سے

اسمِ سیاہ سے بھی نہ ٹوٹا طلسمِ رنگ
منظر رہا ہوا نہیں رنگوں کے دام سے

چَھٹتی نہیں سکوت کی ظلمت رفیق راز
کچھ روشنی تو کیجئے اپنے کلام سے

غـــزل ٦٦

کچھ تو جنوں تھا ہوا کے سر میں زیادہ
اور ثمر بھی تھے کچھ شجر میں زیادہ

صبح کو دیکھا تو مہرو ماہ تھی آنکھیں
خواب ہی دیکھے تھے رات بھر میں زیادہ

آپ کی چُپ بھی ستارہ بار ہے کتنی
آپ سے ہی روشنی ہے گھر میں زیادہ

دور سے منزل دکھائی دیتی ہے سب کو
روشنی ہے راہِ پُر خطر میں زیادہ

طاق پہ جلنے سے فائدہ ہے بھلا کیا
شمس و قمر رہتے ہیں سفر میں زیادہ

غـــزل ۶۷

ڈھنگ کا کوئی کام کر بھی کبھی
نقش رہتا ہے آب پر بھی کبھی

سبزۂ پائمال کی صورت
میں اٹھا سکتا ہوں یہ سر بھی کبھی

آج بنجر ہے کیوں زمیں اتنی
اس میں اُگتی تھی فصلِ سر بھی کبھی

سانپ سی ہے اگر چہ سانپ نہیں
پھن اٹھا سکتی ہے ڈگر بھی کبھی

توڑتا ہوں سکوتِ دامِ بلا
پھڑ پھڑاتا ہوں اپنے پر بھی کبھی

غزل ٦٨

یہ دشتِ مسافت کہ ہے رفتار سے روشن
اس پار کی ہر چیز ہے اس پار سے روشن

اتنا ہے پر امکان سیہ شب کا بیابان
ہرگام پہ ہیں صبح کے آثار سے روشن

بس قلب کی آتش سے میاں کچھ نہیں ہوتا
ابلیس کا تو نام ہے انکار سے روشن

دنیا کی ہر اک شئے ہے مرے خوں سے منور
یہ زخم مگر ہیں تری تلوار سے روشن

یہ دل ہے اسے اس کا مکیں چھوڑ گیا ہے
یہ خانۂ ویراں ہے اب آزار سے روشن

غزل ۶۹

دل میں اس آگ کو بیدار کیا جائے گا
جس کے بل بوتے پہ انکار کیا جائے گا

ایک آواز کی آندھی سے اچانک اک روز
کوہِ بدمست کو مسمار کیا جائے گا

پھر ہر اک ذات اُگل دے گی دفینے اپنے
اور ہر اک جسم کو اخبار کیا جائے گا

ہم مکیں بے در و دیوار مکاں کے ہیں، تو کیا
ہم کو تو نقش بہ دیوار کیا جائے گا

خاک تو خاک ہے یہ صبر و سکوں مانگے تو
اے ہوا تجھ کو گرفتار کیا جائے گا

غزل ۷۰

منظروں کے رنگ سے رنگِ نظر ہے مختلف
یعنی ہر اک شے بہ الفاظِ دگر ہے مختلف

شب کی سلطانی بھی اس سے لرزہ براندام ہے
میری آنکھوں میں جو روشن ہے وہ ڈر ہے مختلف

خاک ہے بنیاد اس کی بام اس کا آسمان
آ کہ میرا بے درو دیوار گھر ہے مختلف

عکس ہوں میں اور یہ آئینہ ہے سر تا بپا
یہ مرا ہمزاد مجھ سے کس قدر ہے مختلف

کٹتی ہے پکنے سے پہلے لہلہاتی بھی نہیں
میرے کھیتوں میں اُگی یہ فصلِ سر ہے مختلف

غــزل ۷۱

زمیں پہ کرتے ہیں سجدہ طویل ہی ہم لوگ
جبیں کے داغ سے کرتے ہیں روشنی ہم لوگ

لُٹا کے آئے ہیں اپنی متاعِ بینائی
کسی مقام سے گزرے نہ سرسری ہم لوگ

اب ایسے ڈرتے ہوئے دھرتے ہیں زمیں پر پاؤں
فلک سے اُترے ہوں جیسے ابھی ابھی ہم لوگ

کسی پہ حال ہمارا کھُلے تو کیسے کھُلے
غزل ہی کہتے ہیں بے حد عِلامتی ہم لوگ

ہمارا طرزِ بیاں ہے الگ، جُدا اسلُوب۔
سخن کے شہر میں کتنے ہیں اجنبی ہم لوگ

غزل ۷۲

آگ لگتی ہے درختوں کو جہاں پانی سے
ہے یہ ناچیز اسی خطۂ بارانی سے

اس جگہ سے ابھی ہجرت کا ارادہ بھی نہیں
مطمئن ہوں میں بہت شہر کی ویرانی سے

یوں تو آنکھوں میں لئے خوابِ فروزاں ہوں مگر
ڈر بھی لگتا ہے بہت رات کی سلطانی سے

ان میں کیا بات نئی ہے یہ وہی چہرے ہیں
کیوں انہیں دیکھتا ہوں میں بڑی حیرانی سے

تیز جھرنے کو مری پیاس سے مطلب ہی نہیں
اس کو فرصت ہی کہاں تیری ثنا خوانی سے

غزل ۳۷

جسم کے دشت سے معمورۂ جاں دور نہیں
چل کہ وہ بے در و دیوار مکاں دور نہیں

تیری آنکھوں کو اگر ذوقِ نظارہ ہے تُو
تجھ سے کچھ تیرے نہ ہونے کا سماں دور نہیں

گونج سکتی ہے کسی وقت فنا کی جھنکار
سنگ سے کار گہہ شیشہ گراں دور نہیں

اب بھی ہوسکتے ہیں خورشید سرِ شام طلوع
سر اگر سر ہے تو پھر نوکِ سناں دور نہیں

رنگ لائے گا بہت جلد جنونِ تازہ
قصرِ سنگین سے آشفتہ سراں دور نہیں

غزل ۷۴

جسم کے دشت میں ویرانیِٔ جاں بولتی ہے
فرق یہ ہے کہ کوئی اور زباں بولتی ہے

ہم بڑے شوق سے ساحل پہ کھڑے سُنتے ہیں
جل پری کوئی تہہِ آبِ رواں بولتی ہے

بعد میں بولتا رہتا ہے لہو حشر تلک
پہلے کچھ پل کے لئے تیز سناں بولتی ہے

یہ کرشمہ تری تصویر کا ہی لگتا ہے
ورنہ دیوار کسی گھر کی کہاں بولتی ہے

رت بدلتے ہی بدل دیتی ہے یہ رنگ اپنا
یہ زمیں بھی تری از روئے زماں بولتی ہے

غـزل ۵۷

اب یہ تنہائی میاں کام میں لاتی ہے مجھے
عجب انداز سے ہر رات جلاتی ہے مجھے

پہلے پہنائیِ صحرا سے ہی خوف آتا تھا
اب تو یہ تنگیِٔ کوچہ بھی ڈراتی ہے مجھے

پہلے میں شاخ پہ سر سبز ہوا کرتا تھا
اب ہوا اپنے اشاروں پہ نچاتی ہے مجھے

دیدۂ شیر سا روشن ہوں سیہ جنگل میں
مثلِ منظر ہی صدا بھی نظر آتی ہے مجھے

ہاں بڑی کام کی نکلی یہ شکستہ پائی
سیر نادیدہ جہانوں کی کراتی ہے مجھے

غزل ۷۶

کیا کرتا مرے پاس خلافت بھی نہیں تھی
نادار تھا آباء کی وراثت بھی نہیں تھی

خوشبوئے خموشی کا دفینہ ہُوا حاصل
لفظوں میں اترنے کی روایت بھی نہیں تھی

آگے تھیں فقط خستہ فصیلیں ہی فصلیں
تحریر کہیں کوئی عبارت بھی نہیں تھی

آنکھوں میں بھڑکتے ہوئے شعلوں نے کیا کام
منظر کو دھواں ہونے کی چاہت بھی نہیں تھی

دیوار میں پیوست نگینہ کی طرح تھی
اک آنکھ تھی خوابوں سے سلامت بھی نہیں تھی

غزل ۷۷

بجھا تو جسم سے اپنے اُٹھا دھواں سا میں
سمک سے تا بہ سما رفتہ رفتہ پھیلا میں

ہمارے بیچ زمانے کا شور بہتا ہے
تو اُس طرف کا کنارا ہے اِس طرف کا میں

طویل رات نہ ہونے کی اور شام و سحر
یہ کس تکون کے اندر ہُوا ہوں برپا میں

مرا تو اور کہیں کوئی منتظر بھی نہ تھا
صدا جو پیچھے سے دیتا کوئی، تو رُکتا میں

فلک کے سر سے گزرتی ہے موجِ آب مِری
بچھا ہوا ہوں زمیں پر سراب جیسا میں

سماعتوں کے بیاباں نہ کرسکا سیراب
حصارِ حرفِ ادق سے نکل نہ پایا میں

غزل ۷۸

لت پت ہیں خاک و خون میں اشجار یا اخی
بے سائیگی کا گرم ہے بازار یا اخی

جُھلسا ہوا ہے جسم کا سایہ بھی جسم بھی
گرتی نہیں ہے دھوپ کی دیوار یا اخی

اُس چشم نیم باز کے صحراؤں میں اب بھی
ملتے نہیں ہیں خواب کے آثار یا اخی

آنکھوں کے سامنے کوئی بجلی ہی کوند جائے
نکلے نیام سے کوئی تلوار یا اخی

مجھ پر شب فراق نے چھوڑا ہے یہ اثر
سایہ بھی اب لگے ہے شب تار یا اخی

غزل ۷۹

محبت ہے تو کرلو سامنا بھی
قیامت کی طرح ہوجا بپا بھی

بہت پیچھے سفر میں چھوڑ آیا
کھڑاؤں کی صدا بھی نقشِ پا بھی

اکیلے میں ہی کیوں زد میں ہوں اُس کی
بہت کچھ ہے یہاں میرے سوا بھی

یہ شب کیا لے گئی کیا دے گئی ہے
بہت کچھ جانتا ہے یہ دیا بھی

پھر اس کے بعد میں تھا میں ہی میں تھا
بہت دلچسپ تھا وہ حادثہ بھی

غزل ۸۰

آئی نہ شب کو نیند سحر تک در آئے خواب
بے وجہہ مالامال ہواہے گدائےخواب

میرے سکوتِ فکر میں ہلچل بھی ہے مری
بس اک ترا خیال نہیں ہے بنائے خواب

اک آنکھ سی اُگی ہے پرانی فصیل میں
کہتے ہیں دیکھتی ہے وہ سب کچھ سوائے خواب

بے ربط منظروں کی حقیقت ہی کھولتا
کوئی فقیر چاک ہی کرتا قبائے خواب

کتنے مچلتے چشموں کا پانی ہے رزق ریگ
کتنے کریہہ منظرِ صحرا، برائے خواب

غزل ۸۱

ظاہر وہ ہونے لگا رفتہ رفتہ
حیرت سرا آنکھ بھی قطرہ قطرہ

اُس دن کہ زوروں کی آندھی چلی تھی
لیکن سلامت رہا پتّہ پتّہ

اِس پار چُپ چاپ سفّاک منظر
اس پار میری صدا پارہ پارہ

میرے نہ ہونے کا ہے جشن گھر میں
سایوں سے آباد ہے گوشہ گوشہ

دشتِ سیہ میں تِری یاد آئی
لو دے اٹھا ہے مرا سایہ سایہ

غزل ۸۲

ہو کیوں نہ رنگِ عالمِ لاہوت پَر زدہ
پرواز میں ہے طائرِ آہ اثر زدہ

یہ شہرِ حادثات ہے اس کا نہ پوچھ حال
کچھ لوگ بے خبر ہیں یہاں کچھ خبر زدہ

روشن ہے اک لکیر سرِ آسماں ابھی
کتنی ہے سخت جاں یہ دعائے سحر زدہ

پھیکے ہیں رنگ جلوہ گہہِ ممکنات کے
منظر قریب و دور کے سارے نظر زدہ

انسان کیا ہے اصل میں ظلماتِ ہجر میں
تعبیر کی تلاش میں خوابِ سحر زدہ

غزل ۸۳

ایک آوارہ گرد چنگاری
اور خس جاں کی ناز برداری

لمس کی ضرب ہوتی ہے کاری
ہانپتے ہیں تمام نر ناری

دانش و علم سے ہے مالا مال
کتنی چُپ چاپ ہے یہ الماری

تو نہیں تیرا آتشیں نشّہ
ہے رگ و پے میں جاری و ساری

بس یہی میرے ہونے کا ہے ثبوت
میرے اندر ہے کوئی انکاری

غـــزل ۸۴

خوابوں سے ہم آنکھوں میں اُجالا نہیں کرتے
بے چین ستارے کبھی سویا نہیں کرتے

تُو فطرتِ امواج سے واقف نہیں شاید
بچّوں کی طرح ریت پہ لکّھا نہیں کرتے

زخموں پہ نئے زخم دیے جارہے ہیں وہ
اب کون کہے ان سے کہ ایسا نہیں کرتے

یہ لوگ تو اک جہدِ مسلسل میں ہیں مصروف
یہ لوگ تو اپنے لئے کیا کیا نہیں کرتے

اشجار کے دن رات ستم سہتے ہیں چُپ چاپ
موسم ہو کوئی بھی تو یہ شکوہ نہیں کرتے

غزل ۸۵

بوئے سکوت خانۂ افسردگاں سے آئے
موجِ نسیم شہر میں آئے جہاں سے آئے

سونا پڑا ہے شہرِ بدن، کوئی راہرو
اک آگ لمس کی لئے صحرائے جاں سے آئے

ہو بین گلستان و قفس رابطہ بحال
یعنی صدائے پر ہی کسی آشیاں سے آئے

یادِ گلوئے خشک ہی سیراب کر گئی
پانی پیئے بغیر ہی نہرِ رواں سے آئے

دل کی فصیل سنگ میں پڑتی نہیں دراڑ
خوشبو جہانِ غیب کی اس میں کہاں سے آئے

غـزل ۸۶

گم سُم ہوں میں بھی مُہر بلب صوفیوں کے بیچ
قہر ہوا ہوں جیسے گھنے جنگلوں کے بیچ

میرا چراغ مانگ رہا ہے دعائے صبح
ظلمت کدے پہ گرتی ہوئی بجلیوں کے بیچ

میں حیرتوں کا جلوۂ عریاں ہوں اور تُو
اک معجزہ ہے ڈھیر سی حیرانیوں کے بیچ

ہر شخص اپنے آپ سے مصروف ہے بہت
تنہا نہیں ہے کوئی بھی تنہائیوں کے بیچ

یوں تو ہیں سب خموش مگر تیری خامشی
اک نور کی لکیر سی خاموشیوں کے بیچ

غزل ۸۷

روح تو اس روز کانپ اٹھی تھی
قطرۂ حیرت سے آنکھ تر بھی ہوئی تھی

خواب میں دیکھا کہ چل رہی تھی عجب لو
پیڑ کے سائے میں ہم کو آنکھ لگی تھی

تیرے نظاروں کا ایک حشر بپا تھا
خاکِ تمنّائے دید بکھری ہوئی تھی

چار قدم چل کے دیکھتا تھا پلٹ کے
ایک روایت کی دھند سر میں اٹی تھی

دامن امید شب کو تر نہ ہُوا تھا
بارشِ حسرت بھی صبح تک نہ ہوئی تھی

غزل ۸۸

اپنا ہی کوئی درپئے آزار مجھ میں ہے
مجھ سے ہی کوئی برسرِ پیکار مجھ میں ہے

میرا ضمیر ہے کہ تری یاد کی رمق
برسوں سے اک ستارۂ بیمار مجھ میں ہے

دشتِ بدن میں شور ہے ایسا مچا ہوا
جیسے قدیم مصر کا بازار مجھ میں ہے

آہنگِ لاشریک لہٗ ہر نفس میں ہے
جوبن پہ ایک موسمِ اسرار مجھ میں ہے

سیلابِ ہفت رنگ مری خامشی میں ہے
سہمے ہوئے سکوت کی چہکار مُجھ میں ہے

غزل ۸۹

اک خلل اور سراسیمہ سیہ خاک میں ڈال
خوفِ نادیدہ نواح دلِ بے باک میں ڈال

کچھ نہیں ساتھ بجز تیرگیٔ فکر فنا
اپنے ہونے کا شرر ہی رہِ ادراک میں ڈال

بس کہ روشن ہوں یہ ظلمت زدہ اطرافِ وجود
جاتے جاتے شرر ایسا خس و خاشاک میں ڈال

اے خموشی میں شرابورِ معانی کی مہک
زہرِ تاثیر مرے نغمۂ سفاک میں ڈال

رات کے پچھلے پہر ہی یہ کرامت ہوجائے
شعلۂ خواب مرے دیدۂ نمناک میں ڈال

غزل ۹۰

حشر برپا ہے پوری بستی پر
پھر کھلے ہیں گلاب ٹہنی پر

پیاسے کھیتوں میں گُل کھلیں گے اب
جنگ اب چھڑ گئی ہے پانی پر

ابر چھایا ہوا ہے کچھ دن سے
آسمانِ مزاجِ عالی پر

اس قلندر میں بات کچھ ہے ضرور
راکھ ملتا ہے جسم خاکی پر

گیت گاتا ہے ذرہ ذرہ یہاں
زور چلتا ہے کس کا آندھی پر

غزل ۹۱

ہماری طرح حروفِ جنوں کے جال میں آ
کبھی تو جلوہ گہہ نون جیم دال میں آ

ابھی تو گرد زمانے کی اُڑ رہی ہے یہاں
ابھی نہ مثل صبا کوچۂ خیال میں آ

گزر نہ جائے کہیں خامشی میں یہ شب بھی
مُراقبہ تو ہوا اب ذرا جلال میں آ

تجھے بھی آج کوئی روپ بخشتا ہی چلوں
تو سنگ ہے تو مرے دستِ باکمال میں آ

یہاں زوال کا منظر بھی لازوال نہیں
یقین نہیں تو بیابانِ ماہ و سال میں آ

غـزل ۹۲

خانۂ خس میں شعلۂ غم ہے
یہ اُجالا تو بس کوئی دم ہے

وادئ روح میں ہوں سرگرداں
ہر طرف ایک ہو کا عالم ہے

قافلے ہیں رواں ہواؤں کے
سوکھے جنگل میں آج ماتم ہے

زلفِ پیچاں کے مرحلوں سے گزر
راستہ آگے اور پُر خم ہے

تیرے طوفاں میں شورِ حشر سہی
میری خاموشیوں میں بھی دم ہے

غـزل ۹۳

وہ ساز چھیڑ دیا پائلوں نے رستے میں
کہ منہ ہی موڑ لیا درجنوں نے رستے میں

ہمارے دل میں تڑپ نور کی کچھ اور بڑھی
کرم یہ ہم پہ کیا آنسوں نے رستے میں

وہ بھیڑ بھاڑ تھی پہچان کھو گئی ہوتی
ہمیں بچائے رکھا خلوتوں نے رستے میں

ہمیں فقیر سمجھ کر کیا نظر انداز
تمہیں تو گھیر لیا سینکڑوں نے رستے میں

ہمیں کہ سوجھ رہا تھا نہ کوئی بھی رستہ
رکھا تھا روکے ہمیں راستوں نے رستے میں

غزل ۹۴

کسر باقی نہ چھوڑی آندھیوں نے
مجھے تھامے رکھا اپنی جڑوں نے

تو شہ رگ سے قریں ہے کیا خبر تھی
مجھے اُلجھائے رکھا فاصلوں نے

ترے گُم سُم مسافر پر اچانک
عجب اسرار کھولے جنگلوں نے

مرے الفاظ کی گہرائیوں میں
کیا اک رقص پھر خاموشیوں نے

ابھی ہیں زیست کے آثار باقی
خبر دی ہے یہ دل کی دھڑکنوں نے

غزل ۹۵

پہلا سفر ہے رات ہوئی بستیوں سے دور
ڈرتا ہوں اُگ نہ آئے بیاباں میں نخلِ نور

برپا نواحِ روح میں کیسا یہ حشر ہے
دریائے خامشی کے کنارے سے کچھ ہی دور

درپیش موج خیز بدن کا سراب تھا
ہم نے تو راتوں رات اُسے بھی کیا عبور

اُگتی ہے آنگنوں میں ہمارے بھی فصلِ غیب
خوش ہیں چھتوں پہ عالمِ لاہوت کے طیور

کس نے دیا یہ حکم کہ چشمے اُبل پڑے
توڑا یہ کس نے کوہِ پُر اسرار کا غرور

غــزل۹۶

کسی کے سر پہ جنونِ سفر سوار نہیں
فضائے دشت کہ آلودۂ غبار نہیں

یہ کس سکوت کی سلطانی کا زمانہ ہے
ہمیں تو سانس بھی لینے کا اختیار نہیں

ہمارے عہد میں بے برگ و بار پیڑوں کو
نسیم خلدِ بریں پر بھی اعتبار نہیں

خسِ نظارہ بھی اب تو ہوا ہے آتش گیر
نگاہِ اہلِ نظر میں بھی اب شرار نہیں

اگر نہیں ہے مدینے کا رنگ اس میں ، تو
کوئی بھی فکر کا موسم ہو، خوشگوار نہیں

غزل ۹۷

فضا میں بس غبارِ کارواں ہے
سکوتِ مرگ ہے اور دشتِ جاں ہے

سفر میں اب کے گامِ اوّلیں پر
مجھے در پیش ہفتم آسماں ہے

تری خاطر یہاں تک آگیا ہوں
یہاں تو میں ہی میں ہوں تو کہاں ہے

یہ سنّاٹا جو گہرا ہے بہت ہی
یہی تو نغمۂ آوارگاں ہے

مرا ہونا نہ ہونے میں ہے مضمر
نشاں میرا کہ بے نام و نشاں ہے

غـزل ۹۸

عکس آنکھوں میں نہ تھا شُعلۂ حیرانی کا
کوئی امکاں بھی نہ تھا منظرِ امکانی کا

مجھ پہ خورشیدِ جہاں تاب کے اکرام کہاں
مجھ پہ سایہ ہے کسی نخل بیابانی کا

بجلیوں کی یہ چمک رہنے دے کچھ دیر ابھی
کُچھ نظارہ تو کروں سوختہ سامانی کا

جلتا رہتا ہے ہر اک رنگ میں وہ مثل چراغ
حال مت پوچھ شبِ تار کے زندانی کا

یہ غزل تو ہے بہت خوب رفیق احمد راز
رنگ ہے اور کچھ اس نغمۂ لافانی کا

غزل ۹۹

رفتار اپنی تیز نہ کر اے سوار دیکھ
وحشت زدہ ہے دشت میں تیرا شکار دیکھ

یوں ہی نہیں چمکتی ہیں آنکھوں میں حیرتیں
نازک نہالِ سبز میں پوشیدہ نار دیکھ

اک قطرۂ سکوت میں دریا کا شور سُن
اک روشنی کی بوند میں امکاں ہزار دیکھ

مت سوچ موسموں نے لگائی یہ کس طرح
کس آگ میں نہائے ہوئے ہیں چنار دیکھ

بیرونِ جسم عمر گزاری رفیق راز
اک رات اپنے آپ میں اب تو گزار دیکھ

غــزل ۱۰۰

عنواں جنوں ہے اس میں فقط ایک باب کا
یعنی یہ دشت ایک ورق ہے کتاب کا

ترتیب ہی الگ ہے مِرے شہرِ ذات کی
شعلہ تو اک ثمر ہے یہاں نخلِ آب کا

سر کو پٹک رہی ہے فصیلِ فریب سے
ہے اضطراب دیدنی موجِ سراب کا

اب جُز وفورِ شوق نہیں درمیان کچھ
کرتا ہے کام رنگِ نظر ہی حجاب کا

سر پر تنا ہوا ہے وہ خیمہ رفیق راز
محتاج ہی نہیں جو کسی بھی طناب کا

غزل ۱۰۱

گلے پہ خاک تمہارے سُر اور تال پہ خاک
غزل پہ خاک مضامین پائمال پہ خاک

دبا ہُوا ہے ابھی ذہن کے دفینوں میں
پڑی ہوئی ہے ابھی گوہرِ خیال پہ خاک

قصیدہ گو ترے الفاظِ پُر شکوہ کی داد
امیرِ ملک ترے جاہ اور جلال پہ خاک

دیارِ دشت و جبل جوئے شیر سے سیراب
جنونِ کوہ کن و تیشہ و کدال پہ خاک

یہ بُت بنے گا خُدا تو جسے تراشتا ہے
یہ ڈال دے گا ترے دستِ کمال پہ خاک